جدید فقہی مباحث

موجودہ اہم سماجی مسائل کے حل کیلئے

وقف کی اہمیت اور طریقۂ کار

بحث وتحقیق

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

بانی

حضرت مولانا قاضی مفتی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد (۲۲)

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

Islamic Fiqh Academy (India) مجمع الفقہ الاسلامی (الہند)

اجازت نامہ سلسلہ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔ اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا اسلام پہنچادیں۔

والسلام: مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ دار الاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ ادارۃ المعارف دار العلوم کورنگی 021-35032020

☆ مکتبہ معارف القرآن دار العلوم 021-35031565-6

☆ ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255

☆ بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور 042-37352483

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

☆ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، H-8/1 اسلام آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

أشهد أن محمداً رسول الله

فہرست مضامین

☆☆☆

ابتدائیہ

شریعت کے تمام احکام کی بنیاد دو باتوں پر ہے: خالق کی اطاعت و بندگی اور مخلوق کے ساتھ محبت و حسن سلوک۔ خدا کی بندگی تو انسانیت کا اولین مقصد ہے: "وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون" (سورۂ ذاریات:۵۶) لیکن اس کے ساتھ ساتھ مخلوق خداوندی کی خدمت اور اس کے ساتھ محبت اور بہتر برتاؤ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان کے اچھے ہونے کے لئے حسن اخلاق ہی کو معیار بنایا ہے، بلکہ غور کریں تو عبادت اور خدمت خلق کو شریعت میں بعض موقعوں پر ایک ہی درجہ دیا گیا ہے، چنانچہ بعض کفارات میں روزے واجب ہیں اور اگر روزے نہ رکھے جاسکیں تو ہر روزہ کے بدلہ ایک دن کا کھانا کھلانا واجب ہے۔

خدمت خلق کی ایک صورت وقتی ہے اور ایک دیرپا اور دائمی ہے، یہ دوسری صورت افضل ہے جس کو حدیث میں صدقہ جاری کہا گیا ہے۔ صدقہ جاریہ کی ایک صورت وقف بھی ہے، یعنی کوئی شی کسی کار خیر کے لئے اس طرح مخصوص کی جائے کہ اصل شی باقی رہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع اس مد میں خرچ ہوا کرے۔ وقف کے اس طریقہ کو علماء مغرب نے اسلام کی خصوصیات اور فقہ اسلامی کے امتیازات میں شمار کیا ہے۔ وقف کی اصل رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور عمل میں موجود ہے۔ صدقہ جاریہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا ارشاد جیسا کہ مذکور ہوا، وقف کے مشروع ہونے کی بنیاد ہے، اسی طرح وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے اپنے

متروکات کے میراث ہونے کی نفی فرمائی، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کا پورا ترکہ وقف علی اللہ تھا پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہاں غیر منقول اموال میں وقف کی واضح صورتیں موجود ہیں۔

اسلامی تاریخ میں بعد کے ادوار میں مسلمانوں میں وقف کا عام ذوق پیدا ہوا اور جہاں لوگوں نے مسجدوں، مدرسوں اور قبرستانوں پر وقف کیا، وہیں رفاہی کاموں پر بھی کثرت سے وقف کیا گیا، اس میں یتیموں، بیماروں، مسافروں، بیواؤں اور بوڑھوں پر وقف شامل ہے، یہاں تک کہ مریضوں کے تیمارداروں پر بھی بعض لوگوں نے وقف کیا اور پرندوں کی غذاؤں کے لئے بھی وقف کیا گیا۔

اس وقت مسلمان جس معاشی زبوں حالی اور تعلیمی پس ماندگی سے دوچار ہیں، اوقاف کے ذریعہ ان کو بہتر طور پر دور کیا جاسکتا ہے، اس کے لئے ایک طرف موجودہ اوقاف کو نفع آور بنانے اور ان کا صحیح استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور دوسری طرف تعلیمی اور رفاہی اغراض کے لئے نئے اوقاف قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں اگر مسلمانوں کے اوقاف بے جا تصرف وتغلب سے آزاد ہو جائیں اور نیک نیتی کے ساتھ ان کو نفع آور بنایا جائے اور تعمیری مقاصد میں ان کا استعمال کیا جائے تو بہت سی دشواریاں حل ہوسکتی ہیں اور مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم وتربیت، بیواؤں، یتیموں اور دوسرے بے سہارا لوگوں کی مدد کا بڑا کام انجام پاسکتا ہے۔

اسی لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) شروع سے اوقاف کے مسائل پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہے۔ اکیڈمی کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے اس موضوع پر بعض اہم مقالات سپرد قلم فرمائے ہیں، جو اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ اکیڈمی نے

اپنے دسویں فقہی سمینار منعقدہ ممبئی بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں اوقاف کے مسائل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بحث کا موضوع بنایا تھا، جس میں اوقاف سے متعلق موجودہ دور میں پیش آنے والے مشکل مسائل اور ہندوستان کے پس منظر میں پیدا ہونے والی مختلف پیچیدگیوں کو سامنے رکھتے ہوئے بڑے اہم سوالات مرتب کئے گئے تھے۔ اس سمینار میں ملک و بیرون ملک کے مؤقر علماء شریک ہوئے اور انہوں نے ایسی تجاویز منظور کیں جن میں موجودہ مشکلات کا حل بھی ہے، وقف کے سلسلہ میں شریعت کی بنیادی تعلیمات اور اصول و مقاصد کی پوری پوری رعایت بھی اور توازن و اعتدال بھی۔ ان مقالات کا مجموعہ اردو میں اور ان میں سے منتخب مقالات اور علماء ہند کی آراء کا خلاصہ عربی میں اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

چودہویں فقہی سمینار منعقدہ حیدرآباد میں وقف کے مسئلہ کو ایک اور پہلو سے زیر بحث لایا گیا اور وہ یہ کہ موجودہ دور میں مسلمانان ہند کے مسائل کے حل کے لئے کس طرح کے اوقاف قائم ہونے چاہئیں؟ اس موضوع پر جو تحریریں سمینار میں آئیں، وہ موجودہ حالات کے پس منظر میں بڑی ہی چشم کشا ہیں۔ ان ہی مقالات اور مختصر تحریروں کا یہ مجموعہ آپ کے سامنے پیش ہے۔ اس میں زیادہ تر تحریریں تو وقف کی ترغیب اور موجودہ حالات میں وقف کی ضروری اور اہم جہات کی تعیین پر مشتمل ہیں اور وزارت اوقاف حکومت کویت سے وابستہ ایک عرب فاضل ڈاکٹر عبدالغفار شریف کی گفتگو فقہی پہلو پر ہے۔ بہر حال یہ مجموعہ اپنے موضوع پر بڑی اہمیت کا حامل ہے اور گویا وقف سے متعلق مجلّہ کا تکملہ ہے جو اس سے پہلے اکیڈمی کی جانب سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

قارئین کو عزیزم محمد ہشام الحق ندوی (رفیق شعبہ علمی امور) کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہتر طور پر اس مجموعہ کی ترتیب کی خدمت انجام دی ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس

کوشش کو قبول فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو اوقاف کو نفع آور بنانے اور نئے اوقاف قائم کرنے کے سلسلے میں روشنی ملے۔ واللہ ہو الموفق۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری)

۲؍صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

۲۰؍فروری ۲۰۰۷ء

☆☆☆

پہلا باب

سوالنامے اور فیصلے

اکیڈمی کا فیصلہ:

وقف

وقف کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور وقف کے ذریعہ بڑے بڑے تہذیبی وتمدنی، فلاحی اور رفاہی کارنامے انجام دیئے گئے ہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمینار نے درج ذیل امور طے کئے ہیں:

۱- ہندوستان میں مسلم اوقاف کو سرکاری وغیر سرکاری ناجائز قبضوں سے واگذار کرنے، اور وقف کی جائیداد کو جدید امکانات اور شرعی ضابطوں کی رعایت کرتے ہوئے بڑھانے، نفع آور بنانے اور ان کی سرمایہ کاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲- بیواؤں، مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی حاجت روائی کے لئے نئے اوقاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳- ضرورت مند طلبہ کی اعانت اور ان کے لئے اسکالرشپ وغیرہ کی فراہمی کے لئے ''فنڈ برائے تعلیمی امور'' قائم کیا جائے۔

۴- دینی مراکز اور اسلامی مدارس کی تقویت کے لئے ''فنڈ برائے دینی مراکز'' کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۵- ان تمام شعبوں کے لئے اہل خیر حضرات کو چاہئے کہ دل کھول کر حصہ لیں جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

سوالنامہ:

سماج کے سنگین مسائل کے حل کے لئے اوقاف کا قیام

اسلام دین فطرت ہے، اس کی تعلیمات دنیا وآخرت میں انسان کی کامیابی کی ضامن ہیں، عقائد وعبادات سے لے کر اخلاق ومعاملات ہر میدان میں اسلام کے احکام وتعلیمات اتنی جامع اور مکمل ہیں کہ ان کو اختیار کرنے اور ان پر عمل آوری سے نہ صرف آخرت کی فلاح یقینی بن جاتی ہے بلکہ دنیا کے مختلف میدانوں میں انسان کی زندگی خوشگوار، پرامن اور اطمینان بخش ہو جاتی ہے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ معاشیات اور اقتصادیات کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اتنی جامع اور مکمل ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے سماج میں معاشی توازن پیدا ہوتا ہے اور ہر طبقہ کی معاشی ضروریات حسن وخوبی کے ساتھ پوری ہوتی ہیں۔

اسلام نے سماج کے نادار اور بے سہارا طبقوں اور افراد کو اوپر اٹھانے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایسی بہت سی تعلیمات دی ہیں جن کی انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل آوری سے کمزور طبقات وافراد کو سہارا ملتا ہے، وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لائق بنتے ہیں اور ان کا نہ صرف معاشی معیار بلکہ علمی وفکری معیار بھی بلند ہوتا ہے۔

اسلام کے مالیاتی نظام میں وقف کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے، مختلف احادیث وآثار میں وقف کی اہمیت بیان کی گئی ہے، اس کی ترغیب دی گئی ہے اور اسے صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا ہے، اسلامی تاریخ کے ہر دور میں غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات کو پورا کرنے، انہیں معاشی طور پر خود کفیل بنانے، مسلمانوں کو علوم وفنون سے آراستہ کرنے، مریضوں، پریشان حالوں

کی حاجت روائی کرنے اور اصحاب علم وفضل کا معاشی تکفل کرنے میں اسلامی اوقاف کا بہت اہم رول رہا ہے، ہر دور میں باتوفیق اہل ثروت مسلمان مختلف دینی، علمی، سماجی ورفاہی مقاصد کے لئے چھوٹے بڑے اوقاف قائم کرتے رہے اور ان اوقاف کے ذریعہ بہت سے وہ کام انجام پاتے رہے جنہیں دور حاضر میں وزارت تعلیم، وزارت صحت وغیرہ انجام دیا کرتی ہیں۔

اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ قدیم اوقاف کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں نئے اوقاف قائم کرنے کا رجحان پیدا کیا جائے بلکہ اس رجحان کو مہمیز کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وقف کی یہ سنت (جس میں مسلم سماج بلکہ انسانی سماج کے لئے بے شمار فوائد ہیں) مسلسل فروغ وترقی پاتی رہے۔ دور حاضر میں ایسے مختلف میدان ملکی وعالمی سطح پر ظاہر ہو چکے ہیں جن کے لئے اوقاف قائم کرنے اور ان کا مستحکم نظام بنانے کی ضرورت ہے۔ اس احساس کے ساتھ درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں، تاکہ ان کے بارے میں آپ کے مطالعہ وفکر سے استفادہ کیا جائے اور ان کی روشنی میں کچھ ایسی تجاویز چودھویں فقہی سمینار میں پیش کی جاسکیں جو اوقاف کے سلسلہ میں امت کی بہترین رہنمائی کرسکیں۔

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

موجودہ دور میں ایک اہم مسئلہ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا ہے جو معاشی طور پر انتہائی کمزور اور بے سہارا ہوتی ہیں، اسلام کا نظام نفقہ مسلم سماج میں رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ اعزہ واقرباء بھی جن پر یہ معاشی کفالت لازم ہے اور وہ معاشی طور پر ایسی عورتوں کی کفالت کرسکتے ہیں، اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب خاندانوں ہی کی نہیں بلکہ بعض اوقات معزز اصحاب ثروت خاندانوں کی مطلقہ اور بیوہ عورتیں معاشی بدحالی کا شکار ہوتی ہیں، ان کی اس بدحالی سے فائدہ اٹھا کر انہیں معاشی خوشحالی کا سنہرا خواب دکھا کر غلط راہوں پر ڈالا جاتا ہے، بعض اوقات آزادی نسواں کا نعرہ بلند کرنے والی بعض تنظیمیں انہیں اچک لیتی ہیں اور ان کے ذریعہ ملکی

عدالتوں اور قومی پریس میں اسلامی تعلیمات کو ہدف بناتی ہیں، کیا ان حالات میں مناسب نہ ہوگا کہ ملک کے مختلف شہروں اور علاقوں میں ایسے اوقاف قائم کئے جائیں جن کے ذریعہ ایسی فقرو فاقہ سے دوچار پریشان حال عورتوں کا باعزت معاشی تکفل ہو اور انہیں دردر کی ٹھوکریں کھانے سے بچایا جاسکے۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

مسلمانوں میں تعلیم کا تناسب دوسری قوموں سے بہت کم ہے، جہالت اور ناخواندگی کی وجہ سے مسلمان قسم قسم کی سماجی خرابیوں میں مبتلا ہیں، اس بات کا عام احساس ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم کا فیصد بہت کم اور تعلیم کا معیار دوسری اقوام سے کافی پست ہے، دینی تعلیم سے ہمارے بہت سے بچے محروم رہتے ہیں اور عصری تعلیم کے میدان میں بھی ان کا معیار کافی پست ہے، حالانکہ اللہ کی دی ہوئی ذہانت اور علمی وفکری صلاحیتیں اس امت کے بچوں اور نوجوانوں میں دوسری اقوام سے ہرگز کم نہیں ہیں، عام طریقہ سے معاشی بدحالی کی وجہ سے ہمارے ذہین ترین بچے جو علم کے مختلف میدانوں میں نئے اکتشافات کر سکتے ہیں، زیور تعلیم سے آراستہ نہیں ہو پاتے، اس تناظر میں اس بات کا احساس بار بار ہوتا ہے کہ کاش تعلیمی مقاصد کے لئے ہمارے پاس منظم اوقاف ہوتے اور ان کا بہترین نظم ونسق ہوتا تا کہ ہمارا کوئی بچہ معاشی کمزوری کی وجہ سے دین ودنیا کی تعلیم سے محروم نہ رہے اور اپنے ذہین ترین بچوں کو اعلی تعلیم کے لئے ہم ایسے تمام وسائل فراہم کرسکیں جن کی مدد سے وہ مقابلہ کی اس دوڑ میں دوسری اقوام سے بازی لے جاسکیں، اس پس منظر میں آپ سے گذارش ہے کہ تعلیمی اوقاف کی اہمیت اور اس کی مختلف شکلوں کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو باتیں ہوں وہ تحریر فرمائیں۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف

دور حاضر میں انسانی آمدنی کا ایک بڑا حصہ علاج معالجہ پر خرچ ہورہا ہے، دن بدن علاج مہنگا ہوتا جارہا ہے، خوش حال لوگوں کے لئے بھی علاج معالجہ کے اخراجات ادا کرنا مشکل ہورہا ہے، خاص طور سے بعض انتہائی مہلک اور سنگین امراض (مثلاً کینسر، ایڈز وغیرہ) کے دوا علاج کے مصارف غیر معمولی ہوتے ہیں، جن کا علاج سماج کے متوسط طبقہ کے لئے بھی ممکن نہیں ہوتا، ہمارے سماج میں ایسے مریضوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے جو اپنے دوا علاج سے عاجز ہوتے ہیں، اسلام دین رحمت ہے، انسانوں کی خدمت اور راحت رسانی اس کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے، مسلم عہد حکومت میں مریضوں کے لئے بھی اوقاف قائم کئے جاتے تھے، اب اس میں بہت کمی آگئی ہے، اس بات کی ضرورت کا شدت سے احساس عام طور پر کیا جارہا ہے کہ ایسے مریضوں خصوصاً کینسر وغیرہ جیسے سنگین امراض میں مبتلا مریضوں کے لئے جو علاج معالجہ کے مصارف اٹھانے پر قادر نہیں ہیں، مختلف اوقاف قائم کئے جائیں، ان کے تحت اسپتال، طبی مراکز وغیرہ قائم ہوں جہاں علاج معالجہ کا اطمینان بخش نظم ہو، طب وصحت کے میدان میں اوقاف قائم کرنے اور ان کا نظم ونسق چلانے کے بارے میں کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں جو تجاویز آپ کے ذہن میں ہوں انہیں تحریر فرمائیں۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

اوپر ذکر کردہ مقاصد کے علاوہ اور مختلف مقاصد مثلاً تبلیغ ودعوت، صحافت وابلاغ، دفاع عن الدین وغیرہ کے لئے مختلف قسم کے اوقاف قائم کئے جاسکتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ دور حاضر کے حالات اور تقاضوں کی روشنی میں جن مقاصد اور جن کاموں کے لئے اوقاف قائم کئے جانے کی ضرورت ہے اور ان اوقاف کو زیادہ سے زیادہ مفید اور ثمر آور بنانے کے لئے جو

طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں ان کی نشاندہی کی جائے اور اس سلسلہ میں اپنی قیمتی تحقیقات وآراء سے استفادہ کا موقع دیا جائے۔



دوسرا باب

وقف سے متعلق تمہیدی نکات

اوقاف سے متعلق شرعی احکام میں اجتہاد کی ضرورت

ڈاکٹر محمد عبدالغفار شریف ☆

فلاسفہ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ یہ انسانی معاشرہ کا دستور ہے، خواہ اس میں مسلمان رہتے ہوں یا غیر مسلم۔ یہی ضرورت علماء کو اجتہاد پر آمادہ کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باغیوں اور رہزنوں وغیرہ سے متعلق بیش تر احکام صحابہ کرام کے درمیان ہونے والی جنگوں یا ان کے اور خوارج کے درمیان ہونے والی جنگوں کے نتیجہ میں وجود میں آئے۔ آپ تمام حضرات کو معلوم ہے کہ جب امام شافعی عراق سے مصر تشریف لے گئے تو ان کی بہت سی آراء تبدیل ہوگئیں۔ دلائل اور اصول تو پرانے ہی تھے البتہ بعض ان نئے واقعات، نئے عرفوں اور ان تہذیبی امور کی وجہ سے جو حجاز اور عراق میں انہیں پیش نہیں آئے تھے اور مصر میں ان کو ان سے سابقہ پیش آیا، انہوں نے بہت سے دلائل پر از سر نو غور کیا اور ان کے سامنے بہت سے ایسے دروازے کھلے جو اب تک نہیں کھلے تھے، ان ہی میں سے احکام وقف میں واقع ہونے والا تغیر بھی ہے، اسی لئے وقف کے مؤبد اور مؤقت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کی رائے یہی ہے کہ وقف مؤبد ہوگا، امام اعظم کے نزدیک وقف مؤقت بھی ہوسکتا ہے البتہ انہوں نے بعض مسائل مثلاً مساجد

☆ سکریٹری جنرل اوقاف پبلک فاؤنڈیشن حکومت کویت

اور مقابر وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اسی طرح اشیاء منقولہ، نقود اور منافع کے وقف میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ امام مالک کے نزدیک جمہور فقہاء کے برعکس کوئی چیز کرایہ پر لے کر اس کی منفعت وقف کی جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک وقف کے لئے عین کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں، اسی طرح مصر کے مملوکی عہد میں جب حکومت کمزور ہوئی تو بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے، ان اوقاف کے ذریعہ کسی زمانہ میں مدارس اور شفا خانے اور بہت سے معاشی، سماجی، صحتی اور تعلیمی امور انجام پاتے تھے۔ مسلمان اتنے تہذیب یافتہ تھے کہ انہوں نے جانوروں پر بھی جائدادیں وقف کی تھیں۔ دمشق میں اس وقت جو میونسپل اسٹیڈیم ہے وہ کسی زمانہ میں مجاہدین کے بیمار اور بوڑھے گھوڑوں پر وقف تھا۔ اسے ''أرض المرجۃ'' کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد کے دور میں مسلمانوں کے اوقاف ضائع ہو گئے، اس کے اسباب کا علم مجھے ونشریسی کی کتاب ''المعیار المعرب فی فتاوی علماء أفریقیۃ والمغرب'' کے ذریعہ ہوا۔ یہاں افریقہ سے مراد تیونس ہے، اسے افریقہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ افریقہ کا باب الداخلہ تھا۔ اندلس کے تاجر پورے یورپ اور افریقہ میں اپنے تجارتی سامان برآمد کرتے تھے، یہ تجارتی سامان بندرگاہوں پر آتے تھے۔ اس زمانہ میں ان پر کسٹم ڈیوٹیز لگائی جاتی تھیں، کبھی کبھی یہ ٹیکس سامان کی قیمت سے بڑھ جاتے تھے، تاجروں نے اس سلسلہ میں غور کیا اور اپنے سردار شاہ بندر سے مشورہ کیا، اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ ایک فنڈ قائم کیا جائے اور اس کے ذمہ دار شاہ بندر ہوں گے۔ ہر تاجر اس میں ایک متعین فیس جمع کرے گا۔ اگر کوئی تاجر کسی حادثہ سے دوچار ہو جائے یا بھاری ٹیکسوں کی زد میں آجائے تو اس ٹیکس کی ادائیگی اس فنڈ سے کی جائے گی۔ اس فنڈ میں ترقی ہوئی اور اب انہوں نے اس کے مال میں سرمایہ کاری شروع کردی۔ اس فنڈ میں سرمایہ کاری کرنے والوں نے اندلس کے علماء سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فتوی دیا کہ یہ

وقف ہے۔ اس طرح کمرشیل انشورنس اور سرمایہ کاری انشورنس کا آغاز ہمارے آباءواجداد نے کیا، یورپ بہت بعد میں اس سے واقف ہوا، حالیہ دور میں یہی چیز ہمارے پاس دوبارہ مغرب سے آئی۔

سلطنت عثمانیہ کے زوال کے نتیجہ میں اوقاف کے زوال پذیر ہونے کی وجہ سے علماء نے اوقاف کے سلسلہ میں اجتہاد کے ذریعہ نئے احکام مستنبط کئے جیسے اُحکار اور اجارتین وغیرہ عقود کے احکام۔ وقف کے بیش تر احکام اجتہادی ہیں جو مصالح اور قواعد پر مبنی ہیں۔ کویت میں جب امانت عامہ برائے اوقاف کا قیام ہوا تو اس وقت اوقاف کی صورتحال یہ تھی کہ ایک طویل عرصہ تک کئی کئی سال کی آمدنی بمشکل چار فیصد ہو پاتی تھی یعنی سالانہ آمدنی صفر تھی، اوقاف کی عمارتیں تھیں، ان کا کرایہ آتا تھا اور اپنے شرعی مصارف میں خرچ ہوجاتا تھا، عمارتوں کے قدیم ہونے کی وجہ سے کرایہ دار بھی ان کو کرایہ پر لینے کی طرف راغب نہیں ہوتے تھے، وزارت اوقاف کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ ان عمارتوں کو از سر نو تعمیر کراتی اور ان کو ترقی دیتی، ایسی صورت میں عالم اسلام کے دوسرے حصوں کی طرح ہم بھی ان عمارتوں کو نہایت معمولی کرایہ پر لگا دیتے تھے، حکمت مؤمن کا گمشدہ مال ہے۔ ہمارے دوست امریکہ اور برطانیہ گئے، وہاں انہوں نے ٹرسٹ کا نظام دیکھا، ٹرسٹ کا نظام وقف سے ملتا جلتا ہے، یہ اسلامی نظام سے ماخوذ ہے، یہ ٹرسٹ رفاہی ہوتا ہے، اس میں رقوم جمع کی جاتی ہیں اور تمام شعبوں میں ان کی سرمایہ کاری ہوتی ہے، مغرب کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں کیمبرج اور ہارورڈ وغیرہ سب وقف ہیں، البتہ انہیں تجارتی ذہن اور سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے چلایا جاتا ہے، اس میں غریب طلبہ کی امداد کا بھی فنڈ ہے۔ ان اوقاف کی آمدنیاں ان ہی جامعات میں صرف ہوتی ہیں، ہمارے دوستوں نے اس مغربی تجربہ سے فائدہ اٹھایا، وہ ملیشیا گئے، وہاں انہوں نے نہایت ترقی یافتہ پروجیکٹ دیکھا۔ اس کا نام ہے: ''تابونگ جی'' یہ ملیشیائی باشندوں کا ادارہ ہے، ملیشیا کے مسلمان باشندے انتہائی

مفلوک الحال تھے، تجارت چینیوں کے ہاتھ میں تھی اور صنعت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں جن میں سے بیشتر غیر مسلم تھے، مسلمان یا تو حاکم تھے یا مزدور، ایک چھوٹا سا طبقہ اقتدار میں تھا اور بیش تر لوگ چینیوں کے ہاں مزدوری کرنے والے تھے، یہ حج کی آرزو رکھتے تھے مگر ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے، اس صورت میں انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم ہر اس شخص سے جو حج کی آرزو رکھتا ہو ماہانہ یا اس کی استطاعت کے مطابق ایک متعین قسط جمع کرائیں، پھر ان رقوم کو اکٹھا کر کے ایک فنڈ قائم کریں اور ان سے سرمایہ کاری کریں پھر ہر سال دس افراد کو، بیس افراد کو، سو آدمیوں کو حج کرائیں، جس کا نمبر آجائے وہ ان پیسوں سے حج کرے اور بقیہ پیسے بعد والوں کے لئے وقف رہیں۔

آج یہ ادارہ ''تابونگ حجی'' ملیشیا کا سب سے بڑا اقتصادی ادارہ ہے، بڑی بڑی کمپنیاں چلاتا ہے، بہت سی کمپنیوں میں شراکت دار ہے، ملیشیا میں اس نے متعدد اسلامی بینک قائم کئے ہیں اور اپنے ملک کی ایک قابل لحاظ اقتصادی قوت بن کر ابھرا ہے۔ جو شخص بھی کوئی اسلامی کمپنی قائم کرنا چاہتا ہے وہ ''تابونگ حجی'' کو اپنا شراکت دار بنانا چاہتا ہے۔

یہ سوچ کویت منتقل ہوئی، جب دوستوں نے ان دو تجربات ایک اسلامی اور ایک مغربی کی روشنی میں اموال وقف کو فروغ دینے کے لئے ایک ادارہ قائم کرنے پر غور کیا تو انہوں نے دیکھا کہ وقف کے بیش تر اموال تعمیر نو اور استبدال کے متقاضی ہیں۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ فقہاء دو انتہاؤں پر ہیں: ایک انتہا یہ ہے کہ وقف کا استبدال کسی حال میں جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وقف کوئی عمارت ہو اور وہ منہدم ہو جائے، قابل استعمال نہ رہے تو اسے بیچنا جائز نہ ہوگا۔ وہ اسی حال میں چھوڑ دی جائے گی، نہیں معلوم کہ کب اور کون اس کی از سر نو تعمیر کرے گا۔ اس رائے کی وجہ سے بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے۔ اس کے برعکس بعض فقہاء (حنابلہ) کی رائے یہ ہے کہ اگر وقف کی کوئی چیز یہاں تک کہ مسجد بھی قابل استفادہ نہ رہ جائے یا منہدم ہو جائے تو اسے بیچ

کر اس کی قیمت کسی دوسری جگہ میں موجود کسی مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے، بلکہ بعض علماء حنابلہ جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قاضی الجبل کی رائے یہ ہے کہ ایک کم فائدہ وقف کو دوسرے زیادہ نفع والے اور بہتر وقف سے بدلنا بھی جائز ہے، اس بات کا تعین کہ زیادہ نفع کس وقف میں ہے یا تو قاضی کے مشورہ سے وقف کا متولی کرے گا یا یہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہوگا۔ استبدال کا جواز علی الاطلاق نہیں ہے ورنہ وقف ایک کھلواڑ بن جائے گا۔

اس سلسلہ میں مناسب طریقہ کار اختیار نہ کرنے ہی کی وجہ سے اردن، فلسطین اور ہندوستان کے بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے، فلسطین کے بہت سے مقدسات کی دیکھ ریکھ کے لئے وہاں کی وزارت اوقاف اور اسلامی بینک کے درمیان تعاون کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مقصد کے لئے مقارضہ یا مضاربہ بانڈز کا طریقہ اختیار کیا گیا جو اصلاً اگر چہ تجارت کے ساتھ خاص ہے مگر بہت سے فقہی اجتہادات کی رو سے غیر تجارتی معاملات میں بھی درست ہے۔

ہم لوگ ہمیشہ اپنی اکیڈمیوں، اداروں، دارالافتاءات یہاں تک کہ اسلامی کمپنیوں کے شرعی بورڈس میں کسی ایک مسلک کی پابندی نہیں کرتے، ہم جملہ اسلامی مسالک سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کے اجتہادات کے دائرہ سے نہیں نکلتے، ہم ان مسالک اور اجتہادات سے زمان ومکان کے مناسب حال آراء کو لے لیتے ہیں، بشرطیکہ وہ نص صریح سے متصادم نہ ہوں، نص صریح میں تاویل کا امکان نہیں ہوتا اور ایسی نص کبھی بھی کسی اصولی یا فقہی قاعدہ سے متصادم نہیں ہوسکتی ہے۔

الحمد للہ ہم نے محسوس کیا کہ اس طریق کار سے اوقاف کو بہت ترقی دی جاسکتی ہے، ہندوستان، فلسطین اور اردن کے بہت سے وہ اوقاف جو تعمیر نو یا سرمایہ کاری کے متقاضی ہیں، آئی ڈی بی وغیرہ کے تعاون سے ان کے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے مقارضہ بانڈز کی صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت میں وزارت اوقاف یا اوقاف مینجمنٹ کی حیثیت

مضارب کی ہوگی، یہی ادارہ لوگوں سے مال اکٹھا کرے گا اور اس کے سلسلہ میں بانڈز جاری کرے گا، یہ بانڈز ایسے ہی ہوں گے جیسے کمپنی کے شیئرز۔ اگر نقود کی صورت میں ہوں گے تو ان پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے اور اگر دیون کی صورت میں ہوں تو ان میں دین کے احکام جاری ہوں گے۔ اگر نقود اور دیون کا مجموعہ ہوں گے تو حکم میں اعتبار غالب حصہ کا ہوگا۔ ان اموال سے ہم اوقاف کو فروغ دے سکتے ہیں، ایسی آمدنیوں کا ایک حصہ بانڈز کے مالکان کو ملے گا۔ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ بانڈز کے مالکان اپنے بانڈز فروخت کرنا چاہیں اور وقف انہیں خرید لے۔ اس طرح وقف کے حصص بڑھ جائیں گے اور ان سے مزید سرمایہ کاری کی جا سکے گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ وقف کی اصل پوزیشن بحال ہو جائے گی اور شرکاء اپنے اپنے منافع لے کر سرمایہ کاری سے علاحدہ ہونا چاہیں تو علاحدہ ہو سکیں گے۔

اس وقت وزارت اوقاف کویت نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اس کے پاس تقریباً ایک سو ساٹھ ملین کویتی دینار کے برابر اثاثہ جات اور نقد رقوم ہیں۔ کوئی بھی شخص اگر کوئی اسلامی کمپنی قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کو شراکت کی دعوت دیتا ہے۔ ہم کمپنیوں میں شامل ہوتے ہیں، کبھی کبھی ہم مینجمنٹ میں بھی شریک ہوتے ہیں، کمپنیاں قائم کرتے ہیں اور دوسری کمپنیوں پر اپنی شرطیں عائد کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں، اس طرح وقف ان کمپنیوں میں سب سے مضبوط شراکت دار ہوتا ہے۔ اس سے وقف کو ایک ایسی آمدنی حاصل ہوتی ہے جو عمارت کے علاوہ ہوتی ہے، الحمد للہ ہم نے اس سلسلے میں علماء اور فقہی اکیڈمیوں کے فتاوی حاصل کر لئے ہیں کہ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اسے یوں ہی چھوڑنے کے بجائے اس سے سرمایہ کاری کی جائے، ان کو یوں ہی رکھ چھوڑنے سے ان کی قوت خرید میں کمی آتی جائے گی اور وقف کا نقصان ہوگا۔ ہم ان رقوم سے کمپنیوں کے شیئرز خرید لیں گے۔ کیونکہ مرکزی بینک کی نظر میں کمپنیوں کے شیئرز نقد رقوم کے مثل ہیں۔ ہم اسے کسی وقت بھی فروخت کر سکتے ہیں اور ان کی اچھی سے اچھی

قیمت ہمیں مل سکتی ہے، اس طریقہ کار سے نہ صرف اصل سرمایہ آمدنی میں اضافہ کا باعث ہے بلکہ ایک آمدنی خود دوسری آمدنی کے حصول کا قوی ذریعہ ہے۔ اس طرح اللہ کا شکر ہے کہ اوقاف کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔

اوقاف کو فروغ دینے کے لئے وسیع تناظر میں نئے طریقوں پر ہمیں غور و فکر کرتے رہنا چاہئے۔ ہم نے عقد انتفاع کا بھی استعمال کیا، اس سے اسلامی کمپنیوں کو بڑے منافع حاصل ہوئے۔ ہمیں تعصب سے بچتے ہوئے اوقاف کے نئے مسائل کو فقہی اصولوں کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس وقت نوجوانوں کی شادی کے لئے بھی اوقاف کا قیام ہونا چاہئے، اگر ہندوستان کے اوقاف کی سرمایہ کاری باہر کے ملکوں میں براہ راست ممکن نہ ہو تو مختلف رفاہی اور فلاحی تنظیموں مثلاً جمیعۃ الشیخ عبداللہ النوری وغیرہ کے توسط سے یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ تنظیمیں سرمایہ کاری کریں گی اور آپ کے منافع آپ کو ادا کریں گی۔ اگر قانون سماجی مفادات کا تحفظ نہ کر رہا ہو تو اس کے خلاف حیلہ اختیار کرنا شریعت کے منافی نہیں ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہم اسلام کے مصالح کے لئے باہم تعاون کریں گے۔



[عربی سے ترجمہ: محمد ہشام الحق ندوی]

نئے اوقاف کا قیام: مسائل اور عملی تدابیر

مولانا بدر الحسن القاسمی، کویت

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اوقاف کے مسائل سے خاص دلچسپی لی ہے۔ اکیڈمی کی طرف سے اس موضوع پر ایک مستقل سمینار بھی منعقد ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں دو کتابیں بھی ایک عربی میں اور ایک اردو میں طبع کی گئی ہیں۔ اسی طرح اکیڈمی نے وقف کو فروغ دینے سے متعلق مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مرحوم کا ایک پمفلٹ بھی شائع کیا ہے۔

یہ وقت اوقاف سے متعلق فقہی احکام پر بحث و مناقشہ کا نہیں ہے۔ اس موقع پر چونکہ اوقاف پبلک فاؤنڈیشن حکومت کویت کے عزت مآب سکریٹری جنرل ہمارے درمیان موجود ہیں اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکے گا اوقاف کو فروغ دینے سے متعلق ہم ان کے تجربات سے استفادہ کرنا چاہیں گے۔ محترم سکریٹری جنرل اس فن کے ماہر ہیں اور اس سلسلے میں ان کی رائے کا وزن ہے۔

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار اور مشہور اسلامی سیاحوں کے سفر نامے مثلاً سفر نامہ ابن بطوطہ اور سفر نامہ ابن جبیر وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں مسلم دنیا کی علمی تحریک کو فروغ دینے میں اوقاف غیر معمولی طور پر مؤثر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں اوقاف میں اتنا تنوع رہا ہے اور دوسروں کو آرام پہنچانے کا اتنا انتظام و اہتمام رہا ہے کہ مغرب اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود اس سطح تک نہیں آ سکا ہے۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے لئے اوقاف تو

مشہور بات ہے لیکن گمشدہ کتوں کی دیکھ ریکھ کے لئے یا بلیوں کو کھانا کھلانے کے لئے یا گھروں میں کام کرنے والے ان خادموں کے لئے اوقاف جن سے کام کے دوران غلطی سے برتن ٹوٹ جائیں اور مالک کی طرف سے غصہ میں انتقامی کاروائی کا اندیشہ ہو اپنی نظیر آپ ہیں۔ اس قسم کے اوقاف ایسی مشکل گھڑی میں ان بے سہارا لوگوں کی دل داری کے لئے کئے جاتے تھے۔ مغرب عربی کے ایک عالم نے دو جلدوں میں وقف کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اوقاف کی ان متنوع اقسام سے متعلق بہت سی معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مصنفین نے اسپتالوں سے متعلق کئے گئے اوقاف پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا معیار اتنا ترقی کر گیا تھا کہ مریض کے شفایاب ہو جانے کے بعد اس کے لئے مخصوص کھانوں کے علاوہ اس کو ذہنی و نفسیاتی آرام پہنچانے کے لئے نغموں اور ترانوں کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ اسی طرح خلیفہ مامون کے عہد کی تمام علمی درسگاہیں اوقاف کے زیر انتظام تھیں اور اس وقت کی عالم اسلام کی تمام علمی وفکری، ثقافتی اور تہذیبی ترقیات اوقاف کی مرہون منت تھیں۔ اس کے بعد کے دور میں اوقاف زوال پذیر ہو گئے۔

دور حاضر میں متولی حضرات اور حکومتوں نے ان کا ناجائز استعمال کیا۔ ہندوستان پر آٹھ سو سال تک اسلام کی حکمرانی رہی۔ یہاں کی تمام ریاستوں بشمول حیدرآباد و دہلی کے شہروں اور دیہاتوں میں اوقاف کی بڑی بڑی جائدادیں موجود ہیں۔ ان تمام پر یا تو مختلف حکومتوں نے یا ان کے متولیوں نے جو بدقسمتی سے مسلمان ہی ہیں، غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ فقہاء کی تعبیر کے مطابق "ظَلَمَة" اور "طُغَاة" ہیں۔

سروے رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ریاستوں میں بیس فیصد، بعض میں ستر فیصد اور بعض میں پچھتر فیصد وقفی جائدادیں ہیں۔ صرف دہلی میں ایک ہزار چھیالیس اور بہار میں بائیس ہزار اسی رجسٹرڈ اوقاف ہیں لیکن وقف بورڈ کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ ان کے

سالانہ اخراجات ہی پورے کر سکے۔حکومت ان اوقاف کا استعمال کرتی ہے اور اس کے سامنے اوقاف کی جائدادیں ضائع ہورہی ہیں۔اصل مسئلہ ان کی بقاء وتحفظ کا ہے۔

ماضی قریب میں عالم اسلام کی حکومتوں اور اداروں نے اوقاف سے دلچسپی لینی شروع کی اور اس سلسلہ میں وزارت اوقاف کویت کو سب پر سبقت حاصل ہے۔سب نے اس بات کی شہادت دی کہ حکومت کویت نے اپنی نوعیت کا بے نظیر تجربہ کیا۔ یہ تجربہ دوسرے ممالک کے اوقاف کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔بطور خاص اس زمانہ میں اوقاف کو کیسے فروغ دیا جائے؟ ان کی تعداد میں اضافہ کے لئے کیا کیا جائے؟اس وقت موجود اوقاف کا تحفظ کیسے کیا جائے؟ ان تمام پہلوؤں پر کویت میں اور کویت سے باہر بھی متعدد سمینار منعقد کرائے گئے،استبدال وقف کی جو بحثیں قدیم فقہاء نے کی تھیں ان سے استفادہ کیا گیا اور اوقاف کی سرمایہ کاری کے متنوع طریقے اختیار کئے گئے۔اس وقت ہمارے پاس ان تمام مسائل سے متعلق وافر علمی ذخیرہ جس کی ہمیں بھارت میں ضرورت پڑسکتی ہے،مدون صورت میں موجود ہے۔

اس موضوع پر ایک مستقل سمینار ہوجانے کے باوجود اس کو زیر بحث لانے کی ضرورت اسی پہلو سے ہے۔حقیقت یہ ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی ضروریات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس لحاظ سے اگر بھارت میں موجود بے پناہ اوقاف کی سرمایہ کاری کی جائے تو ان کے ذریعہ صرف مسلمانوں کی ضروریات ہی پوری نہیں ہوں گی بلکہ ایک پوری حکومت چلائی جاسکتی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے کویت میں اوقاف کے مسائل سے متعلق ایک سمینار منعقد ہوا تھا،اس میں ''وقف مرہون'' کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا،بیش تر فقہاء مثلاً شیخ مختار السلامی،شیخ صدیق محمد أمین الضریر وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ ایسا وقف ضائع سمجھا جائے گا اور اسے ترک کردیا جائے گا،لیکن میری رائے یہ تھی کہ اسے بھارت کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں بھارت

میں ایسی مثال موجود ہے کہ ایک وقف کی قیمت ایک ملین کویتی دینار ہے لیکن وہ کسی ہندو کے پاس ایک لاکھ یا اس سے بھی کم قیمت میں بطور رہن ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم اسے چھوڑ دیں گے اور اس کے حصول کی کوشش نہیں کریں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کویت کی طرز پر ہمارے ہاں بھی نئے اوقاف کا قیام ہو اور مختلف ''صنادیق'' (فنڈز) قائم کئے جائیں، جیسے ٹکنالوجی فنڈ، علمی فنڈ، قرآن فنڈ، بیواؤں اور یتیموں سے متعلق فنڈ، قیدیوں، گم شدہ افراد اور شہداء کے خاندانوں سے متعلق مخصوص فنڈ وغیرہ۔ جب ہماری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ کتوں اور بلیوں وغیرہ کے لئے اوقاف ہوتے تھے تو یتیموں، بیواؤں اور بیماروں کے لئے تو ان کی اشد ضرورت ہے۔

اس سمینار میں ایسے فنڈ کے قیام سے متعلق بھی فیصلے کئے جانے کی ضرورت ہے جن کے ذریعہ اوقاف کی اراضی اور جائدادوں کی بازیابی کے لئے قانونی چارہ جوئی کے اخراجات پورے کئے جاسکیں، خواہ یہ مقدمے قابض حکومت سے لڑنے پڑیں یا مختلف غاصب گروپوں سے۔

آخر میں میں ایک تجویز پیش کرنا چاہوں گا، خوش قسمتی سے اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کے سکریٹری جنرل موجود ہیں، وہ تجویز یہ ہے کہ ہمارے علماء جو اپنے اپنے مدارس اور علمی مراکز کے لئے کویت اور دیگر عرب ممالک کا سفر کرتے ہیں اور تاجروں اور سرمایہ داروں کے دفاتر اور رہائش گاہوں پر لائن لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، یہ ان کے مقام ومنصب کے شایان شان نہیں ہے، کبھی کبھی بہت ہی ناخوش گوار صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گیارہ ستمبر کے بعد علمی مراکز ومدارس کی امداد وتعاون پر بعض قسم کی پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں۔ امدادی کمیٹیوں اور تنظیموں پر اس سلسلے میں سخت دباؤ بھی ہے۔ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری تجویز یہ ہے کہ اس طرح چندوں کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے متعدد مدارس ومراکز کے لئے اوقاف کا

قیام عمل میں لایا جائے۔اس کے لئے یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ متعین رقوم بطور وقف ان مدارس کے نام پر اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت یا اس طرح کے اداروں کو سرمایہ کاری کے لئے دے دی جائیں اور ان کی آمدنی سے یہ مدارس و مراکز اپنے اخراجات پورے کریں۔اس طرح کا ایک معاہدہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی اپنی زیر نگرانی قائم اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) اور اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت کے درمیان اور ایک معاہدہ ''المعہد العالی للقضاء والإ فتاء'' پٹنہ اور اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت کے درمیان طے پایا تھا۔

میرا مقصد موجودہ قوانین وضوابط کے تحت نئے اوقاف کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔



[عربی سے ترجمہ: محمد ہشام الحق ندوی]

تیسرا باب

وقف - ضرورت واہمیت

وقف نقدی

ہماری موجودہ زندگی میں وقف کے کردار کا احیاء

ڈاکٹر شوقی احمد دنیا☆

اسلامی شریعت میں جن خیر کے کاموں پر ابھارا گیا ہے ان میں وقف کو ایک بڑا مقام حاصل ہے، یہ خیر وفلاح کے کاموں میں انفاق مال کے اہم اور نمایاں طریقوں میں شمار ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو عمدہ ترین مال میں سے خرچ کرنے کا طریقہ یہی تلقین کیا کہ وہ اسے وقف کردیں۔ اسی افضلیت کی بنا پر آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے صاحب استطاعت افراد میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جس نے وقف نہ کیا ہو (ابن قدامہ، المغنی مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض ۱۴۰۱ھ-۵/۵۹۹، القرافی، الذخیرۃ ۶/۳۲۳، دار الغرب الاسلامی بیروت ۱۹۹۴)، اسی طرح کوئی بھی عہد اور کوئی بھی مسلم مملکت خیر کے کاموں میں وقف کرنے والے سینکڑوں اصحاب خیر سے خالی نہیں رہی۔

وقف کی اسی اہمیت کی بنا پر معاش، اجتماع، ثقافت اور سیاست ہر پیمانہ پر اس کے زبردست اثرات پڑے، بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ کوئی اسلامی ادارہ اتنا طاقت ور اور اپنے مختلف میدانوں میں اثرات کے لحاظ سے اتنا موثر نہ تھا جتنا وقف اور اس میں عروج وزوال کے تمام ادوار یکساں رہے تو مبالغہ نہ ہوگا (ملاحظہ ہو: شوقی دنیا، أثر الوقف فی إنجاز التنمیة الشاملة، مجلة

☆ صدر شعبہ معاشیات، کامرس کالج، جامعۃ الازہر۔

البحوث الفقهية المعاصرة، الرياض، العدد(۲۴)۱۴۱۵ھ، حلقة إدارة وتثمير الممتلكات الوقفية، المعهد الإسلامي للبحوث والتدريب جدة ۱۴۱۰ھ، أعمال ندوة إحياء دورالوقف في الدول الإسلامية، رابطة الجامعات الإسلامية بورسعيد ۱۹۹۸،ڈاکٹر مصطفى السباعي :من روائع حضارتنا، المكتب الإسلامي بيروت،أعمال ندوة الوقف، الجمعية الخيرية الإسلامية، قاهرہ، فروری۲۰۰۰ء)۔

آج کے موجودہ حالات کے پیش نظر وقف کی ضرورت زیادہ بڑھ گئی ہے، کیونکہ افراد اوراجتماعیات کی سطح پر بہت سی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل میں وقف بنیادی رول ادا کرسکتا ہے اور باوجوداس کے کہ ماضی میں وقف نے اسلامی معاشرہ کی تشکیل وارتقاء میں بڑا کردارادا کیا ہے آج پھر اسلامی معاشرہ کواوپر اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ وقف اپنا کردار نبھائے۔موجودہ صورت حال میں وقف انتہائی تنزلی، کمزوری اوراضمحلال کا شکار ہےاورشدید بحران سے گذر رہا ہے، حالانکہ اس کی ضرورت ہےاوراس میں امکانات بھی بہت ہیں۔ یہ ہماری معاصر مسلم دنیا کا ایک بہت بڑاالمیہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہماری موجودہ زندگی میں وقف کا اہم کردار کیا ہے؟ وہ اسباب وعوامل کیا ہیں جن کی وجہ سے وقف تنزلی اور کمزوری کا شکار ہےاورنتیجتاً اپنا مطلوبہ کردارادانہیں کررہا،ان عوامل کا علاج کیسے ہوگا،ان پرغلبہ کیسے پایاجائے کہ وقف صحت مند ہوجائے اورقوت کے ساتھ اپنا فعال کردار ادا کرے؟ اس مقالہ میں ان ہی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی،بعض سوالوں کاجواب مجمل اور سرسری ہوگا،بعض میں صرف خاص مسائل کی طرف اشارہ کردیاجائے گااوربعض کامبسوط ومفصل جواب دیاجائے گااوربعض میں اوسط درجہ کی تفصیل دی جائے گی۔

یادرہے کہ مقالہ کامرکزی عنوان ''وقف نقدی'' ہے،بقیہ مسائل سے تعرض تمہید وتکمیل کے بطور ہوگا۔مرکزی موضوع مذکورہ تینوں سوالات اوران کے جوابات کے بیچ بھی چھایارہےگا۔

ان تینوں سوالوں اوران کے جواب کے پیش نظر مقالہ کا خاکہ دوقسموں پر مشتمل ہوگا:
پہلی قسم میں وقف کی موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال اوراس کی شدید ضرورت پر۔
اور دوسری قسم میں وقف نقدی، اس کے مسائل، سرمایہ کاری، مینجمنٹ اور اثرات پر بحث ہوگی۔

پہلی قسم: وقف کی کمزوری اوراس کی ترقی کی شدید ضرورت

۱- موجودہ دور میں وقف کی کمزوری

وقف موجودہ عالم اسلامی میں کس قدر کمزور پڑ گیا ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، بہت سی چیزیں ہیں جو اس کی دلیل ہیں، مثلاً اموال موقوفہ کی مقدار اورقومی سرمایہ میں ان کے تناسب، ان کی سالانہ افزونی (اگر وہ ہے) کے اوسط، قومی آمدنی کی شرح نمو سے اس کے تقابل، اموال موقوفہ کے منافع اورآمدنی کی مقدار اورقومی آمدنی میں اس کے تناسب وغیرہ سے اس کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے۔

فطری بات ہے کہ اس بات کے تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ کے لئے مستقل ریسرچ ورک کی ضرورت ہے، یہاں تو ہم محض اس سلسلہ میں اشارہ ہی سے کام لیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ معاصر مسلم دنیا میں اوقاف کس قدر گراوٹ کا شکار ہیں، بعض ممالک میں اوقاف کی بڑھوتری وترقی سے اس کلیہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، ان میں کویت سر فہرست ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں اوقاف انحطاط کا شکار ہیں تو اس سے مراد اس فرق کو بتانا ہوتا ہے جو ماضی کے اوقاف اورآج کے اوقاف میں ہے، ظاہر ہے کہ یہ فرق بہت بڑا ہے، دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اوقاف کی موجودہ حالت سامنے آئے اوراس میں کیا تبدیلیاں ہوسکتی ہیں، یہ معلوم ہو۔

۲-موجودہ دور میں اوقاف کی تنزلی کے عوامل

ہر صورت حال کے کچھ اسباب وعلل ہوتے ہیں۔ اوقاف کی اس حالت کے اسباب کیا ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے مستقل ریسرچ ورک کی ضرورت ہے، کیونکہ اسباب و عوامل متعدد بھی ہیں، پیچیدہ اور پھیلے ہوئے بھی اور ان کا مزاج بھی الگ الگ ہے۔

اس مقالہ میں ان سب اسباب کو تو گنایا نہیں جا سکتا نہ ہی اس کا یہ موضوع ہے، البتہ ان کے بعض ابھرے ہوئے پہلوؤں کی طرف اشارہ اور ان پر سرسری نظر ضرور ڈالی جائے گی۔ اگر چہ یہ اسباب وعوامل متعدد اور متنوع ہیں لیکن ان کو خاص خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

مثلاً: بہتیرے لوگوں کے نزدیک اوقاف کا فقہی پہلو مبہم ہے، جن میں خاصے پڑھے لکھے اور فقہ کے لوگ بھی ہیں، اوقاف کے فقہی احکام کے بارے میں لوگوں میں عجیب تصورات پھیلے ہوئے ہیں جو فقہی اعتبار سے زیادہ تر غلط ہیں، ان غلط فہمیوں کے باعث اوقاف میں بڑی کمزوری اور انحطاط آیا، تحلیل وتجزیہ کے بجائے بعض موٹی چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ تجزیہ سے مقالہ اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائے گا۔

(الف) یہ مشہور ہو گیا ہے کہ صرف اموال ثابتہ یعنی اراضی اور جائدادوں ہی کا وقف ہو سکتا ہے، اموال منقولہ کا نہیں، اس بنا پر نقد روپیہ تو بدرجہ اولی وقف کا محل نہیں رہتا، حالانکہ فقہی طور پر یہ رائے درست نہیں ہے، کیونکہ تمام اسلامی فقہی مسالک اس پر متفق ہیں کہ اموال ثابتہ وقف کا محل ہیں اور بہت سے فقہی مذاہب اور بعض مذاہب کے کچھ علماء اموال منقولہ کے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ صراحت کے ساتھ نقود کے وقف کو اور حتی کہ منافع کو بھی ایک قسم کا مال قرار دے کر اس کے وقف کو جائز ٹھہراتے ہیں (الدسوقی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۷۶، دار احیاء الکتب العربیہ، القاہرہ، الرملی نہایۃ المحتاج ۵/۳۶۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، النووی، روضۃ الطالبین ۴/۳۷۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت) نتیجہ یہ نکلا کہ جو بات معروف ہے وہ فقہ کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

(ب) یہ بھی مشہور ہے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہوگا، وقتی طور پر نہیں، حالانکہ فقہی طور پر یہ بھی غلط ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ رائے بعض مسالک کی ہے، جبکہ بعض دوسرے مسالک وقتی وقف کی اجازت دیتے ہیں (ایضا الدسوقی ۴ر ۸۷، ابن شاش، عقد الجواہر الثمینۃ ۳ر ۴۷، دار الغرب الإسلامی، بیروت ۱۴۱۵ھ، ابن قدامہ، المغنی ۵ر ۶۲۳، الماوردی ۹ر ۳۸۱، الحاوی الکبیر، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ ۱۴۱۴ھ، احمد بن یحیٰ المرتضی، عیون الازہار ر ۳۶۰، دار الکتاب اللبنانی، بیروت ۱۹۷۵ء)۔

(ج) یہ بھی عام ہے کہ وقف لزوماً ہی ہوتا ہے، جوازاً نہیں، اسی لئے اس سے رجوع، یا اس کو معلق بنانا یا اس میں کوئی شرط وغیرہ لگانا جائز نہ ہوگا حالانکہ فقہ میں ان سب کی گنجائش موجود ہے (السرخسی، المبسوط ۱۲ر ۲۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۹۸۹ء، اور اس کے بعد کے صفحات، ابن عابدین، رد المحتار ۴ر ۳۳۸، دار الفکر بیروت، ۱۹۷۹ء، الدسوقی، حوالہ سابق، ۴ر ۸۹، القرافی، الذخیرۃ ۶ر ۳۲۶، دار الغرب الإسلامی، بیروت ۱۹۹۴ء، المہدی المرتضی، عیون الازہار، حوالہ سابق ر ۳۶۱)۔

(د) یہ بات بھی مشہور ہے کہ وقف ایک انفرادی عمل ہے، ایک شخص ایک موقوف علیہ کے لئے وقف کرسکتا ہے، حالانکہ فقہی طور پر جو بات صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ واقف ایک بھی ہوسکتا ہے اور کئی بھی، اسی طرح موقوف علیہ ایک بھی ہوسکتا ہے اور کئی بھی، مختلف مذاہب کی متعدد کتابیں اس بات کو صراحت سے بیان کرتی ہیں (السرخسی، المبسوط، حوالہ سابق ۱۲ر ۳۸، ابن قدامہ، المغنی ۵ر ۶۳۳، سحنون، المدونۃ ۶ر ۹۹ دار صادر، بیروت)۔

(ھ) اسی طرح یہ بھی عام ہے کہ وقف میں اموال موقوفہ یا موقوف علیہ جہات کے سلسلہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، حالانکہ بہت سے فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں کہ حالات کے لحاظ سے اوقاف کی حفاظت کی غرض سے اور وقف کے مقاصد کے لحاظ سے اس کی گنجائش موجود ہے بلکہ بعض مذاہب میں تو بہت ہی وسعت پائی جاتی ہے (المہدی المرتضی، حوالہ سابق، ر ۳۶۰، السرخسی، المبسوط ۱۲ر ۴۱، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴ر ۳۸۴)۔

(و) اسی طرح یہ بھی معروف ہے کہ واقف اپنے وقف سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں

اٹھا سکتا، حالانکہ فقہ اس بات کی اجازت دیتی ہے (عبد الرحمٰن بن قاسم، مجموع فتاوی ابن تیمیہ، الریاض ۱۳۹۸، ۳۱/ ۲۱۲، اور اس کے بعد کے صفحات، ابن قدامہ، حوالہ سابق ۵/ ۶۳۳، ابن بیہ، اثر المصلحہ فی الوقف، مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ، الریاض شمارہ ۱۴۲۱، ۱۴۲۱ھ، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴/ ۳۸۴ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

(ز) یہ بھی مشہور ہے کہ واقف کی شرطیں جو بھی ہوں ان کا احترام کیا جائے گا، اگر وہ معصیت پر مبنی نہ ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ کسی قاری کے کانوں میں یہ عبارت پڑی یا نہیں کہ ''شرط الواقف کنص الشارع'' حالانکہ فقہی طور پر صحیح یہ ہے کہ واقف کی شرطیں صحیح ہوں گی بشرطیکہ ایک طرف تو وہ شرع کے قواعد کے مطابق ہوں اور دوسری طرف شریعت کے مقاصد سے بھی ہم آہنگ ہوں، ورنہ ان کا اعتبار نہ ہوگا، فقہ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن میں واقفین کی شرطیں نہ صرف ختم کی جاتی ہیں بلکہ ان کو کالعدم کرنا واجب ہو جاتا ہے (محمد ابوزہرہ، محاضرات فی الوقف، دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۷۱ء، ۱۳۶، اور اس کے بعد کے صفحات، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴/ ۳۸۷، الحطاب، مواہب الجلیل ۵/ ۳۶، ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی ۳۱/ ۴۳ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

فقہ الاوقاف سے متعلق غلط طور پر رائج تصورات کے یہ چند نمونے دیئے گئے ہیں، حالانکہ فقہ الوقف اس سے بری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کے فقہی پہلوؤں کے سلسلہ میں کچھ علمی پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں اور اس پیچیدگی کا وقف پر منفی اثر پڑنا منطقی بات ہے، اسی لئے بہت سے اموال وقف کا محل نہیں ہو سکے، حالانکہ موجودہ دور میں ان کی بڑی اہمیت ہے، اراضی اور جائداد تو بہت سے لوگوں کے پاس نہیں ہیں لیکن نقد روپیہ تھوڑا بہت ہر ایک کے پاس ہوتا ہے، بعض لوگ اس لئے وقف نہیں کرتے کہ انہیں ابھی آمدنی کی ضرورت ہے یا مستقبل میں ہو سکتی ہے، تو مذکورہ بالا غلط تصورات کی وجہ سے وہ کلی یا جزئی طور پر وقف کرنے سے باز رہتے ہیں، کون ہے جو تنہا صحت، تعلیم، سکونت یا دین سے متعلق کوئی پروجیکٹ شروع کردے!! ایسے لوگ بہت ہی کم تعداد میں ہیں جبکہ اکثریت کے لئے یہ ممکن نہیں، ہاں مشترکہ طور پر ممکن ہے، لیکن

انفرادی وقف کا تصور لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیتا ہے، اسی طرح یہ خیال کہ وقف کو بدلا نہیں جاسکتا، چاہے حالات جیسے بھی ہوں، کتنے ہی اوقاف کے ویران اور برباد ہونے کا سبب بنا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگ وقف کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ اوقاف کی بدحالی ان کی نظر میں ہے، اسی لئے واقف کی غرض فوت ہوگئی اور واقف کی شرطوں کو ان کی نوعیت سے قطع نظر لازما ماننے کا خیال، بہت سی حکومتوں کو اوقاف کی تنظیم، ان کے لئے قانون بنانے اور ان میں سے بعض پر پابندیاں عائد کرنے کی صورت میں ظالمانہ مداخلت کے لئے جواز عطا کرتا ہے، دوسری طرف واقف کی شرط کے باعث بہت سے اوقاف زوال پذیر ہوجاتے ہیں۔

واقف کی شرطوں کی مناسب تنفیذ وتطبیق ایک اہم معاملہ ہے اور اس کے باعث بہت سے لوگ وقف کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں، فقہ میں اس پہلو کی رعایت کی گئی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شرطیں واقف کے مفاد، موقوف علیہ کے مفاد اور سماج کے مفاد کو پورا کرنے والی اور مناسب ومعقول ہوں، یعنی مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا صحیح شعور ہو اور اجتماعیت یا مملکت کی مداخلت ضرورت پڑنے پر مناسب طریقہ پر ہو، لوگوں میں منافع وقف کے جائز ہونے کے شعور کا مناسب حد تک نہ پایا جانا ہی، وقف کی فعالیت اور اس کے دائرہ کی وسعت کے بڑی حد تک متاثر ہونے کا سبب ہے، حالانکہ فقہ مالکی میں اس کی صراحت موجود ہے اور منافع بھی مال ہوتے ہیں اور اعیان کی طرح باقی رہتے ہیں، اعیان سے کم ان کی اہمیت نہیں ہوتی، بلکہ اعیان میں ان کے پائے جانے ہی سے اعیان کو اقتصادی قیمت حاصل ہوتی ہے۔

امور وقف کی انجام دہی کی عصری شکلیں یعنی انتظام، سرمایہ کاری اور دیکھ ریکھ وغیرہ کا نظام نہیں ہے یا کم از کم عام لوگ انہیں نہیں جانتے، جبکہ موجودہ دور میں زمانہ کے حالات کے مطابق جدید اور عصری طریقوں کی شدید ضرورت ہے۔ بہت سے اسلامی ملکوں میں ایسے قانون موجود ہیں جو لوگوں کو وقف کرنے سے روک دیتے ہیں۔

اس طویل اقتباس سے جو جوہری نتائج نکلتے ہیں، وہ یہ کہ فقہ الاوقاف میں کافی لچک ہے جو اوقاف کو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے اور آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے، خاص طور پر جب ہم وقف کی دینی اہمیت کو پیش نظر رکھیں اور کیا یہ محض مذہبی وتعبدی عمل ہے یا ایسا دینی عمل جو معقول ہے اور جس کی ایک غرض ومقصد ہے، وقف اور موقوف علیہ کو فائدہ پہنچانا اس کا مقصد ہے یعنی حالات کے لحاظ سے اس میں جمود بھی آ سکتا ہے اور حالات وظروف کے لحاظ سے تبدیلی وترقی بھی ہوسکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں کیا شرعاً مصلحت معتبرہ کو وقف کی پالیسی سازی میں کچھ دخل ہوگا، اگر ہم جواب ہاں میں دیں تو ایک بات ہوگی اور فقہاء کے مطابق ہوگی، شیخ عبد اللہ بن بیہ (حوالہ سابق) نے جو تحلیل وتجزیہ کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ وقف کے کام میں زیادہ سے زیادہ لچک ہونی چاہئے تاکہ ان کو حالات کے مطابق ڈھالا جاسکے۔

۳-موجودہ دور میں اوقاف کے فعال کردار کی شدید ضرورت

گذشتہ سطور میں ہم نے یہ بیان کیا کہ اوقاف اس وقت کمزوری اور پژمردگی کا شکار ہیں اور اگر بعض فکری وعملی کام کئے جائیں تو ان کے کردار کا احیاء ممکن ہے، اس طرح کی کوششوں کے جواز میں چند باتیں کہی جاسکتی ہیں، مثلاً:

۱-موجودہ دور میں مملکت کا سماجی اور معاشی کردار کمزور ہوگیا ہے، جدید رجحانات نے قومی معاشیات کو پرائیوٹ سیکٹر میں مرکوز کردیا ہے، سول اور پرائیوٹ اداروں اور افراد کے ہاتھ پوری اجتماعی زندگی آ گئی ہے، اسی لئے ممکن ہے کہ وقف کا ادارہ افراد واجتماعیات کی بہت سی اقتصادی وسماجی ضرورتوں کی تکمیل میں ایک زبردست رول ادا کرے۔

۲-اسی میں یہ اضافہ کیجئے کہ آج مذکور الصدر رجحانات کے نتیجہ میں ریاست کے مالی وسائل بڑی حد تک محدود ہوگئے ہیں، کیونکہ اسے بہت سے وہ ٹیکس نہیں ملتے جو پہلے ملا کرتے

تھے، نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سی اقتصادی واجتماعی ضرورتیں حکومت کے بجٹ سے باہر پوری ہوتی ہیں، جنہیں بنیادی طور پر سول سیکٹر اور رضا کارانہ طور پر پرائیوٹ اقتصادی سیکٹر ہی پورا کر سکتے ہیں، وقف اپنی شکل اور مالیاتی طریقہ کار سے بہت سی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے۔

۳-موجودہ صورت حال میں کئی حکومتوں کو اپنی مالی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے باہر سے مدد لینی پڑتی ہے، اس قسم کی مالی امداد کے نقصانات بالکل واضح ہیں۔

۴-موجودہ دور میں عالم اسلام تعلیم اور علمی تحقیق میں ایک زبردست پچھڑے پن کی حالت میں ہے، اس کے لئے مسلم حکومتیں جو بجٹ بناتی ہیں وہ بہت ہی معمولی ہیں، جس سے اس کی تنزلی میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے، یہ زوال اقتصادی بھی ہے اور علمی اور سائنسی بھی۔ معاصر اقوام کی ترقی کی اساسیات میں علم ومعرفت کی اقتصادیات کو جنہیں جدید اقتصادیات کہا جاتا ہے، اول درجہ دیا جانا مشہور ومعروف بات ہے۔ عمومی آمدنی کی کمی کی صورت میں مسلم حکومتیں ان اجتماعی اداروں اور مراکز کو سرمایہ کیسے فراہم کریں؟ کیا اس کام کو پرائیوٹ سیکٹر کے لئے چھوڑ دیا جائے جو اصلا زیادہ سے زیادہ منافع سمیٹنے کے لئے ایسے پروجیکٹس پر توجہ مرکوز رکھتا ہے جن کے ذریعہ وہ منافع حاصل ہوسکیں، ظاہر ہے کہ اس بات سے حقیقی سائنٹفک ریسرچ وتحقیق اور تعلیم کے ادارے راضی نہ ہوں گے، کیا ان چیزوں کو خارجی مالیاتی اداروں پر چھوڑ دیا جائے جن کے مقاصد اور محرکات مشتبہ ہیں یا صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ اوقاف کو مثبت اور تعمیری طور پر اس میدان میں استعمال کیا جائے جیسا کہ ماضی میں کیا گیا تھا اور ایسا علمی ارتقاء وجود پذیر ہوا تھا جس کا اعتراف پوری دنیا کو ہے؟

۵-عالم اسلام میں روز بروز تقسیم دولت کے بارے میں خلیج بڑھ رہی ہے اور غربت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے حتی کہ اس وقت مسلم دنیا کے ۶۰ فیصد سے زیادہ لوگ غربت کا شکار ہیں (اسلامی ترقیاتی بینک کی سالانہ رپورٹ ۹۹/ ۲۰۰۰، ص ۵۱ اور اس کے بعد کے صفحات)، موجودہ دور کے

حالات اور گلوبلائزیشن اور اسپیشلائزیشن وغیرہ کے نئے عالمی ومقامی رجحانات سے ایسا لگتا ہے کہ غربت کی اس سنگین صورت حال میں مزید ابتری آئے گی اور تقسیم دولت میں فاصلہ بڑھے گا۔ پوری دنیا پر اس صورت حال کا مقابلہ کرنا ضروری ہے جو نہ صرف اس کے امن وامان اور استحکام کے لئے خطرہ ہے بلکہ اس کے وجود کے لئے ایک چیلنج ہے، مسلم دنیا پر اللہ کا یہ فضل ہے کہ وہ اس نازک صورت حال کا مقابلہ کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ رکھتی ہے جو وقف ہے، بشرطیکہ اس پر بہتر طریقہ سے عمل کیا جائے۔

۶- دولت کی غلط تقسیم اور شدید غربت کے نتیجہ میں عام محتاج لوگ علاج معالجہ کی بہتر سہولیات سے محروم ہیں، کیونکہ ایک طرف تو سرکاری اسپتال اور طبی مراکز روبہ زوال ہیں، دوسری طرف ان میں علاج کی جدید سہولیات اور اچھے مینجمنٹ کا فقدان ہے، جبکہ سرمایہ کاری کی بنیاد پر چلائے جانے والے اسپتال اور پرائیوٹ نرسنگ ہوم گراں قیمت ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ عام غریب لوگ ان سے فائدہ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے، بیماریاں پھیلتی جاتی ہیں اور غریبوں کی آمدنی اور کمائی کی صلاحیت کو مزید گھٹادیتی ہیں اور ان کی غربت میں اضافہ کردیتی ہیں، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ فلاحی اور چیریٹیبل اداروں سے مدد لی جائے، جن میں اوقاف کا کردار ماضی میں بہت تابناک رہا ہے اور وہ آج بھی بہت اچھا کردار ادا کرسکتے ہیں۔

۷- مذکورہ بالا نکات کے علاوہ ہمیں ایسے طریقہ کار کی شدید ضرورت ہے، جس کے معاشی ڈائمنشن کے ساتھ ہی اس کا روحانی اور اخلاقی پہلو بھی ہو اور ہمارا اقتصادی، اخلاقی، مادی اور روحانی ہر طرح سے ارتقاء ہوسکے، وقف ہمیں اس قسم کا ارتقا بہم پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہر پہلو اور ہر اعتبار سے یہ بات مبرہن اور روشن ہوجاتی ہے کہ موجودہ دور میں اوقاف کی کتنی ضرورت ہے۔ اب اس مقالہ کے دوسرے حصہ میں اوقاف کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم جس کی افادیت کے ہم اب تک بہت زیادہ قائل نہیں رہے ہیں یعنی ''نقدی اوقاف'' پر گفتگو ہوگی۔

دوسری قسم-وقف نقدی

نقدی وقف میں بہت سے امکانات ہیں، جن سے بہتر طریقہ پر وقف کے فلاحی وترقیاتی مقاصد کا حصول ممکن ہے، اسی لئے وقف نقدی پر توجہ اوراس کے ارتقاء کی کوشش وقف کے کردار کے احیاء کے سلسلہ میں بنیادی نوعیت رکھتی ہے، اس موضوع کے اہم نکات ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

۱-نقدی وقف کا مفہوم

اس وقف سے مراد یہ ہے کہ نقد مال کی تمام تر انواع واقسام کو وقف کیا جائے، یعنی ایسا وقف جس میں موقوف علیہ نقد مال ہو۔

۲-نقدی وقف کا حکم

اس مسئلہ میں تتبع اورغور وفکر سے مذاہب اسلامیہ کے فقہاء کی جو رائیں ملیں وہ یوں ہیں:

۱-ایک بھی فقہی مذہب ایسا نہیں جس کے علماء کا نقد مال کے وقف کے ناجائز ہونے پر اجماع ہو، ہر مذہب میں اس کے جواز کے قائلین موجود ہیں، مذہب مالکی اس بارے میں سرفہرست ہے، اس کی جتنی بھی مشہور اور معتمد علیہ کتابیں ہیں سب میں وقف نقدی کے جواز کی صراحت ملتی ہے (الدسوقی، حوالہ سابق ۴/۷۷)، اس کے بعد حنفی مذہب ہے کہ اس کے کئی ائمہ اور مشاہیر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ اس کے ایک مشہور عالم نے تو وقف النقود کے جواز میں ایک کتاب لکھی ہے (الامام ابوالسعود، رسالۃ ابی السعود فی جواز وقف النقود، تحقیق صغیر احمد، دار ابن حزم بیروت ۱۴۱۷ھ) تقریبا یہی موقف حنبلی مسلک کا ہے حتی کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے جواز کو راجح

قرار دیا ہے (مجموع فتاوی شیخ الاسلام ۳۱؍ ۲۳۴ اور اس کے بعد کے صفحات)، ایسا لگتا ہے کہ شافعی مذہب میں اس کے جواز کی سب سے کم بات کہی گئی ہے (الماوردی، الحاوی الکبیر، حوالہ سابق ۹؍ ۳۷۹)، جہاں تک شیعی فقہ کا میں نے مطالعہ کیا ہے، مجھے کوئی ایسی صراحت نہیں ملی جو وقف النقود اور اس کے شرعی حکم کو بتاتی ہو، لیکن ایک نص ایسی ہے جو اگر ثابت ہو جائے تو جواز پر دلالت کرے گی، امام مرتضی کہتے ہیں: "ويشترط في الموقوف صحة الانتفاع به مع بقاء عينه" (عیون الازہار حوالہ سابق؍ ۳۵۹) (مال موقوف میں یہ شرط ہے کہ اس کے عین کے باقی رہتے ہوئے اس سے انتفاع صحیح ہو) اس مطالعہ کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوگا کہ وقف النقود میں یہ شرط متحقق ہے، یہ اشارہ کرنا بھی مناسب ہے کہ ماضی میں کئی مسلمان ملکوں میں نقد وقف کرنا ایک عام بات تھی، حتی کہ بعض علماء نے اس کے جواز وعدم جواز کے حوالہ سے نہیں بلکہ نقود موقوفہ کی زکاۃ کے حوالہ سے بات کی ہے، یعنی جواز کا مسئلہ ان کے نزدیک طے شدہ تھا۔

۲- نقد وقف کے عدم جواز پر کوئی صریح قول مجھے نہیں ملا، فقہاء کے اقوال و مذاہب کے مطالعہ سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں وقف نقد نہیں تھا بلکہ اراضی اور جائداد وغیرہ کا وقف تھا، سنت وقف اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اصل کو روک لیا جائے اور اس کے ثمرات کو عام کیا جائے، یہ وقف نقود میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس سے صحیح شرعی فائدہ اہلاک عین سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ صدر اسلام میں صرف اموال منقولہ کے وقف پر عمل سے دوسری چیزوں کے وقف کی ممانعت لازم نہیں آتی، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وقف صرف اصول ثابتہ (اراضی) پر ہی منحصر نہ تھا، ہاں غالب یہی تھا، کیونکہ حضرت خالدؓ نے اپنی زرہ اور جنگی اسلحہ وقف کیا جو کہ منقولہ اموال ہیں، نبی ﷺ نے اس کو برقرار رکھا جیسا کہ متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے، نقد بھی اموال منقولہ میں سے ہے، یہ بھی تسلیم ہے کہ وقف کا طریقہ یہی ہے کہ اصل کو روکا جائے، پیداوار سے استفادہ کیا جائے، لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ

چیز وقف نقد میں حاصل نہ ہوگی، کیونکہ نقود مثلی ہوتے ہیں، مثل بھی اصل کی طرح ہوتا ہے اور نقود تعین سے متعین نہیں ہوتے، ان کا بدل بھی ان کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یہ بات بھی تسلیم ہے کہ استفادہ شرعی چاہتا ہے کہ نقود کو بدلا جائے لیکن ان کے عین کو خرچ کرنا کوئی ضروری نہیں، کیونکہ عین تو دائما باقی رہے گا (کئی فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴ر ۳۶۴، دسوقی، حوالہ سابق ۴ر۷۷)، لگتا یہ ہے کہ عدم جواز کے قائلین نے یہ دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص یا جہت کو نقد وقف کرتا ہے اور انہیں روپیہ دے دیتا ہے اور بس قصہ ختم۔ حق یہ ہے کہ اس طرح کا عمل وقف نہیں بلکہ محض عام صدقہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں نہ اصل قائم ہے نہ انتفاع جاری!! لیکن جو نقد وقف کے قائل ہیں ان کا مقصود یہ شکل نہیں ہوتی، بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موقوفہ نقود کو اصل قائم سمجھا جائے اور اس سے استفادہ اس طور پر ہو کہ اصل قائم رہے، جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔ اس صورت میں کہ نقود موقوفہ کی سرمایہ کاری کی جائے اور ان کے منافع موقوف علیہ پر تقسیم ہوں اور اس صورت میں کہ کھجور کے درخت کو وقف کردیا جائے اور اس کے منافع وثمرات کسی پر خرچ کئے جائیں، کیا فرق ہے، جبکہ کھجور کا درخت پرانا ہو کر ختم بھی ہوسکتا ہے، اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے پودے خرید کر لگانا ضروری ہوگا تا کہ کھجور مستقل باقی رہے (ہلال الرائی، احکام الوقف، دار المعارف العثمانیہ، ۱۳۳۵ھ ص ۲۰)۔ اب سوال یہ ہے کہ کھجور کا جو درخت باقی رہے گا کیا وہی ہوگا جو وقف کیا گیا تھا؟ حالانکہ مثلیت ایک جنس کے درختوں کے مقابلہ میں نقود میں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر نقود کے وقف سے وقف کی ہمیشگی کا قانون بھی نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وہ بھی سرمایہ کاری اور افزونی سے برابر موجود رہے گا، بلکہ اراضی اور جائدادوں کے مقابلہ میں زیادہ موجود رہے گا، اصل میں اعتبار مال موقوف کی نوعیت کا نہیں اس کے انتظام کا ہے۔ بدنظمی سے ہر قسم کا مال ضائع ہوجائے گا۔ کسی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات

کھل کر سامنے آئی کہ بہت سے فقہاء نے نقد وقف کی اجازت دی ہے، نیز یہ کہ اس قسم کے وقف میں بعض ایسے خصائص وفوائد ہیں جن میں سے بیشتر عین کے وقف میں نہیں پائے جاتے جیسا کہ اگلے مبحث میں ہم دیکھیں گے۔

۳- جدید دنیا میں وقف نقد کو زیادہ اہمیت دینے کے عوامل

شروع میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نقد وقف کے ذرائع ووسائل کے مدنظر اس پر زیادہ توجہ دینے کی ہماری دعوت کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ ہم وقف عینی کی اہمیت گھٹا رہے ہیں، جیسا کہ بعض ان لوگوں کا کہنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وقف عین موجودہ اقتصادی ترقی میں کچھ معاون نہیں ہے (محمد بو جلال، نحو صیاغۃ مؤسسیۃ للدور التنموی للوقف: الوقف النامی، مجلۃ دراسات اقتصادیہ اسلامیۃ، المعہد الاسلامی للبحوث والتدریب، جدۃ، جلد خامس، العدد الاول رجب ۱۴۱۸ھ)۔ صحیح یہ ہے کہ وقف شرعی اپنی مختلف انواع کے ساتھ ترقی کے کام میں مدد دیتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی خدمت کے مزاج، نوعیت اور مقدار میں وقف کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، جیسے حالات ہوں ان کے مطابق۔ اس بحث کا مقصود وقف کی اس فراموش کردہ نوعیت کی اہمیت واضح کرنا اور اس کی طرف توجہ دلانا ہے، یہ نہیں کہ وہ وقف عینی کا بدل ہے بلکہ وہ وقف عینی کو سہارا دیتا ہے اور اس کا بنیادی جز ہے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ اس میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱- نقد تقریباً تمام لوگوں کے پاس ہوتا ہے، قلت وکثرت سے صرف نظر کرتے ہوئے عام لوگوں کے پاس مال اور نقد روپیہ ہوتا ہے، جبکہ ان میں سے بہت سے لوگ اراضی اور جائدادوں کے مالک نہیں ہوتے۔

۲- وقف مشترک یا اجتماعی وقف کے قیام کے لئے اوقاف کی دوسری اقسام سے زیادہ مناسب وقف نقدی ہے اور انفرادی وقف سے زیادہ اجتماعی وقف تقاضائے وقت کے مطابق

ہے، اس لئے کہ اس میں ذرائع ووسائل کی فراوانی ہوتی ہے جس کے ذریعہ بہت سے اقتصادی اوراجتماعی پروجیکٹ بنائے جاسکتے ہیں۔

۳-اس کی سرمایہ کاری کے طریقے، انداز اور میدان متعدد ومتنوع ہیں، اسی وجہ سے اس کے منافع بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

۴-اس کے مقاصد اور دائرے بھی متنوع و متعدد ہیں جن میں کوئی محدودیت اور رکاوٹ نہیں ہے۔

۵-'' مالیات کی فراہمی کو عام کرنے'' کے موجودہ اصول سے بھی وقف نقدی ہی زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۶-سرمایہ کاری میں اس کا اثر اس لئے زیادہ ہوتا ہے کہ مختلف مراحل میں پروڈکشن کے مختلف طریقوں میں یہ مدد دیتا ہے، کیونکہ نقد پیسہ کی بنیاد پر ان پروجیکٹوں اور سرگرمیوں میں شامل ہونا آسان ہے، یہ بعض وہ خصوصیات ہیں جن سے وقف نقدی کی اہمیت اور مقام کا پتہ چلتا ہے۔

۴-وقف نقدی کی تشکیل

نقد وقف کبھی تو انفرادی ہوتا ہے اس طرح کہ کوئی فرد یا جہت اکیلے وقف کرے اور مال موقوف میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو، یہ عام طور پر اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یا تو آدمی کی مالی استطاعت اچھی ہو اور موقوف علیہ معین ومحدود ہو یا جہت عام اور چھوٹی ہو، چنانچہ اس طرح کا وقف اپنی اہمیت کے باوجود محدود نوعیت کا ہوتا ہے (اگر چہ اس کا وجود ہے جیسے کہ ڈاکٹر شوقی فنجری نے طلبہ علم اور دعوت وفقہ اسلامی کے لئے وقف کیا اور جیسے صالح کامل نے جامعۃ الازہر کے مرکز الاقتصاد الاسلامی پر وقف کیا)، جو نقدی وقف اجتماعی یا مشترک ہوتا ہے وہ اس طرح ہوتا ہے کہ

کوئی محدود یا غیر محدود جماعت بالاشتراک کسی بھی صورت میں وقف فنڈ قائم کرے یا کوئی ایسا ادارہ فنڈ قائم کرے جس کے پاس انفرادی اوقاف جمع ہو گئے ہوں، جیسا کہ بعض بینک کرتے ہیں جنہیں انفرادی اوقاف موصول ہوتے ہیں، وہ ان کو ملا کر جن کا مقصد ایک ہو، ایک فنڈ بنا دیتے ہیں تا کہ اس کی سرمایہ کاری اور اس سے حاصل شدہ منافع کے ذریعہ جہت موقوف علیہ کو منافع ملیں یا اگر واقف نے کسی ایک جہت کو مخصوص نہ کیا ہو تو کئی فلاحی اداروں کو منافع دیئے جائیں۔

کبھی یہ فنڈ وقف کے چیکوں کے ذریعہ بنایا جاتا ہے، جن کی قیمت متعین ہوتی ہے اور کوئی نظام بنا کر عام لوگوں کو فروخت کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی واقفین کی ایک جماعت یا کسی خیراتی ادارہ یا بینک یا کسی سرکاری ادارہ کے ذریعہ دین اور حکومت کی رو سے جائز متعین ضوابط کے دائرہ میں یہ چیک پیش کیا جاتا ہے۔

۵-نقدی وقف کی سرمایہ کاری

کسی چیز کی سرمایہ کاری سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو کام میں لگا دیا جائے تا کہ اس سے منافع حاصل ہوں، جیسے گھروں اور اراضی کو کرایہ پر دینا اور منافع حاصل کرنا یا کبھی کوئی چیز بٹائی پر دینا، مشہور ہے کہ نقود جامد اور ساکن ہوتے ہیں، وہ بذات خود کوئی منافع نہیں دے سکتے، ان کو بدلنا، حرکت میں لانا اور سرمایہ کی دوسری صورتوں میں بدلنا ضروری ہے، پھر ان ہی کو یا ان کے منافع کو نقود میں لوٹا دیا جائے، مثلاً ممکن ہے کہ ان سے کوئی سامان خریدا جائے پھر نفع لے کر بیچا جائے یا ان سے مستقل اسباب و جائداد خرید لی جائیں اور منافع حاصل کئے جائیں مثلاً اراضی، مکانات، کارخانے، شیئرز وغیرہ، اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ وقف نقود کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کو کام میں لگا دیا جائے، ان سے منافع بھی حاصل ہوں اور وہ

زائل بھی نہ ہوں، بیشتر حالات میں اس کا تقاضا ہے کہ ان کے ذریعہ سرمایہ کاری کی جائے، اس طرح انہیں باقی رکھا جائے اور ان کے حاصل اور آمدنی کو خرچ کیا جائے۔

اس موقع پر مناسب ہے کہ فقہاء نے وقف نقود کی جن صورتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک صورت کی طرف اشارہ کر دیا جائے، پھر نقد وقف کی سرمایہ کاری کی صورتوں کا تذکرہ کیا جائے گا، فقہاء نے کہا کہ قرض دینے کے لئے نقود وقف کئے جاسکتے ہیں، مثلاً ایک شخص محتاجوں کو قرض دینے کے لئے نقد مال کی ایک مقدار وقف کرے، محتاج اس قرض کو لے کر اس سے ضرورت پوری کرے، اس کے بعد وقف کے متولی کو لوٹا دے (الدسوقی، حوالہ سابق ۴؍۷۷)۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصل محبوس کیا ہے اور اس کی آمدنی کہاں ہے؟

جواب یہ ہوگا کہ اصل نقود موقوف ہوں گے، وہ اس قرض کے لئے قائم اور باقی رہیں گے، آمدنی وہ منفعت ہوگی جو قرض لینے والے کو ان نقود سے پہنچے گی، ظاہر ہے کہ قرض لینے والے کو ایک قسم کا فائدہ ہے ورنہ قرض لینے کی کوئی حاجت نہ ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ قرض حسن دینے کے لئے وقف سے کوئی فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے اور یہ ایک اہم چیز ہے جس کا بدل نہیں (ڈاکٹر راشد العلیوی، الصیغ الحدیثۃ لاستثمار الوقف وأثرہا فی دعم الاقتصاد، ندوۃ مکانۃ الوقف وأثرہ فی الدعوۃ والتنمیۃ مکہ مکرمہ۔ شوال ۱۴۲۰ھ)۔ یہاں کہا جاسکتا ہے کہ نقود کی سرمایہ کاری کہاں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ یہاں سرمایہ کاری نہیں، کیا ہر وقف سے الگ منفعت اور علاحدہ آمدنی حاصل ہوتی ہے؟۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض قسم کے اوقاف سے آمدنی حاصل ہوتی ہے اور بعض سے حاصل نہیں ہوتی (سحنون: المدونۃ، حوالہ سابق ۶؍۱۰۰) پہلے کی مثال وہ کرایہ کے لئے وقف کئے گئے مکان سے اور دوسرے کی مثال رہائش کے لئے وقف کئے گئے مکان سے دیتے ہیں، یہاں سوال تو یہ ہونا چاہئے کہ قرض کبھی کبھی ادا نہیں کئے جاتے اور وقف کے متولی کا جو خرچ ہے وہ کیسے پورا ہوگا، کیونکہ اگر یہ مسائل صحیح طور پر حل نہیں ہوں گے تو اموال وقف اور فنڈ کے ذرائع ختم ہو جائیں گے،

جو وقف کے مقصد اوراس کی سنت کے منافی ہوگا، اسی طرح واقف کی جو غرض ہے کہ وقف باقی رہے اور موقوف علیہ اس سے دائمی فائدہ اٹھائے جس سے دائمی ثواب حاصل ہو، وہ بھی ختم ہوجائے گی، ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے یعنی ضمانتوں، رہن اور کفالات کے ساتھ ساتھ اس بات کے جواز پر بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ قرض لینے والا اطمینان بخش طریقہ پر طے شدہ حدود و ضوابط کی روشنی میں اپنے قرض کے واقعی اخراجات ادا کرے، ہماری رائے یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہتر یہ ہوگا کہ وقف کا متولی وقف کے ایک متعین حصہ کی سرمایہ کاری کرے اور یہ واقف کے علم میں ہو اور اس کے منافع سے بنیادی طور پر متولی کے اخراجات پورے کئے جائیں، دیون معدومہ کے لئے کچھ حصے خاص کر دیئے جائیں، جو بچیں ان کو رأس المال بنالیا جائے اور قرض کے لئے محفوظ کئے گئے فنڈ میں شامل کرلیا جائے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ مال وقف کے کچھ حصہ کو بیچ کر باقی حصہ پر اس کی آمدنی صرف کی جاسکتی ہے، اسی طرح انہوں نے صراحت کی ہے کہ اس کے ایک حصہ سے آمدنی حاصل کر کے اسے اس کے دوسرے حصہ پر خرچ کیا جاسکتا ہے (فقہاء کہتے ہیں: کسی شخص کی خدمت کے لئے وقف کئے گئے غلام کا نفقہ خود اس شخص کے ذمہ ہوگا (الذخیرۃ ۳۴۱/۶)، یہاں نقود شہریوں کی خدمت کے لئے وقف ہیں، لہذا وہ تمام چیزیں جو ان کی بقاء کے لئے ضروری ہیں ان ہی کے ذمہ ہوں گی۔ دیکھئے: الکمال ابن الہمام، فتح القدیر ۴۳۴/۵، ابن تیمیہ، الفتاوی ۲۱۲/۳۱، الدسوقی ۹۰/۴)، یہ اس وجہ سے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ وقف باقی رہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس موقع پر ضرورت ہے کہ قرض دینے کے لئے وقف کا جو فنڈ ہے اس کے مال کی سرمایہ کاری اور بڑھوتری سے متعلق فقہ کی رو سے غور کیا جائے اور اس کو زائد از ضرورت آمدنی نیز نگہداشت کی غرض سے رہائشی مکان کی سرمایہ کاری کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے۔ وقف نقود کا مقصد جہت موقوف علیہ پر اس کے منافع کو خرچ کرنا بھی ہوتا ہے، جس کا لازمی تقاضا یہ ہوگا کہ پہلے اس کی سرمایہ کاری ہو پھر اس کے نفع کو خرچ کیا جائے یا زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ اس کے

ایک جز کو موقوف علیہ پر خرچ کیا جائے قدیم فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے (الماوردی، الحاوی الکبیر، حوالہ سابق ۹/ ۷ ۳، ابن تیمیہ، الفتاوی ۱۳/ ۲۳۴ اور اس کے بعد کے صفحات، الکمال ابن الہمام، حوالہ سابق ۵/ ۴۳۲)۔

اگر واقف نے وقف کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہ کیا ہو تو سرمایہ کاری کے بہت سے طریقے اور اسالیب ممکن ہیں، بس شرط یہ ہے کہ وہ زیادہ نفع بخش اور وقف کی غرض پوری کرنے والے ہوں اور احکام شریعت سے ہم آہنگ بھی ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو وقف کا متولی دوسرے ایسے طریقے اختیار کرسکتا ہے جو ان تقاضوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔ وقف کے منتظمین کے سامنے موجودہ دور کے بہت سے طریقے ہیں اور اسلامی بینکوں نے انہیں استعمال بھی کیا ہے، جیسے راست سرمایہ کاری، کرایہ پر دینا، مضاربت، شرکت، سلم، بیع مرابحہ، مال تیار کرانا، کرنسی نوٹوں کی خرید، سرمایہ کاری فنڈ قائم کرنا اور ان میں شرکت کرنا وغیرہ۔ کیونکہ اوقاف کے مال بھی دوسرے مالوں کی طرح ہیں اور ان کے لئے بھی متعدد طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، بس شرعی التزام کی شرط ہے، اس وقت بھی جبکہ واقف غیر شرعی طریقہ کی صراحت کردے، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سرمایہ کاری کے عمل کی افادیت پر سنجیدگی سے غور وفکر کرلیا جائے تاکہ ایک طرف مال وقف کی حفاظت بھی ہو اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ منفعت بھی حاصل ہو، کیونکہ مال وقف یتیم کے مال اور بیت المال کے مال کی طرح ہے، اس کی سرمایہ کاری کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت ہونی چاہئے۔ بہتر ہوگا کہ عمومی مصلحت سے بالکل صرف نظر بھی نہ کی جائے تاکہ وقف سے متعلق معاشی مصلحت کا حصول ممکن ہو، کیونکہ وقف اصلاً ایک رفاہی عمل ہے، لہذا فلاح وبہبود کا تصور اس کے تمام اقدامات ومراحل میں موجود رہنا چاہئے اور اسے موقوف علیہ کے حقوق میں جو وقف کے عمل کا اصل مقصود ہیں غبن تصور نہ کیا جائے، اس بات کو مثال سے یوں سمجھایا جاسکتا ہے کہ کسی اسپتال یا اسکول یا یونیورسٹی کو نقد وقف کیا گیا اور اس نقد کی سرمایہ کاری یعنی مذکورہ

مصارف پر ان کی آمدنی کے صرف کے لئے دو پروجیکٹ سامنے ہیں، پہلا عام لوگوں کی آبادکاری کا، دوسرا پروجیکٹ متوسط یا اعلی درجہ کے لوگوں کی آبادکاری کا، پہلے پروجیکٹ سے جو فائدہ ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں کم ہوگا لیکن پہلے پروجیکٹ سے غریب لوگوں کو فائدہ ہوگا، جنہیں رہنے سہنے کی جگہ کی ضرورت ہے، تو اس صورت میں وقف کے منتظمین وقف کے مال کو کہاں لگائیں، اس سوال کا جواب آسان نہیں؟ کیونکہ پہلی صورت میں اجتماعی فائدہ ہے تو دوسرے میں موقوف علیہم کو زیادہ فائدہ ہے۔ مناسب میدان میں اس مال کی سرمایہ کاری کے لئے موقوف، موقوف علیہ اور اموال وقف کی سرمایہ کاری اور اس کے منافع کی تقسیم کے درمیان دقت نظر پر مبنی تمیز مفید ہوگی، اسی طرح اس پہلو کو پیش نظر رکھنا کہ موقوف علیہم کی مصلحتوں کی رعایت خاص طور پر جب کہ وہ ضرورت مند بھی ہوں یا عمومی مصارف کی رعایت بذات خود ایک اجتماعی مصلحت ہے۔ اس میں اس سے بھی مدد مل سکتی ہے کہ مملکت خود روبعمل لائے جانے والے پروجیکٹوں کے لئے ترجیحات متعین کرے اور وقف کا فنڈ بھی سرمایہ کاری کے متنوع میدان اختیار کرے، اس طرح ایک حسین امتزاج سامنے آئے گا جس کے ذریعہ ممکنہ طور پر بیک وقت عام وخاص دونوں قسم کے منافع ومصالح کے حصول کو یقینی بنایا جاسکے گا۔

۶-نقدی اوقاف کے نظم وانصرام کا مسئلہ

انفرادی نقد وقف کے انتظام میں کوئی خاص دشواری نہیں، اسے تو واقف خود بھی انجام دے سکتا ہے یا کسی تجربہ کار سرمایہ کاری کے ادارہ کو معاہدہ کے ذریعہ یہ ذمہ داری دے سکتا ہے، اس کی نگرانی کا ذمہ وہ خود لے یا کسی دوسرے ادارے سے کروائے لیکن اجتماعی نقد وقف جس میں چیک، فنڈز اور اچھے مالیاتی ادارے کی ضرورت ہوگی جو خود اس کی سرمایہ کاری کرے یا کسی دوسرے ادارے سے کروائے، اس کے لئے ایک پورے انتظامی نظام کی ضرورت پڑتی ہے اور

غالباً سب سے اہم مسئلہ یہ ہوگا کہ واقفین کیسے اس نظام کی مناسب نگرانی کریں جس سے یہ ضمانت ملے کہ وقف کے مال کی بہتر سرمایہ کاری ہورہی ہے اور اس کے منافع بہتر طریقے پر صرف کئے جارہے ہیں یا تو واقف فنڈ بنا کر جس کا نظم ان میں سے بعض افراد کریں اور مختلف سرمایہ کاری کے اداروں سے تعامل کریں، اس کام کو انجام دیں گے، باقی واقفین ایک عام سوسائٹی بنالیں گے اور کبھی واقفین کسی مالیاتی ادارہ سے مدد لیں گے جو ان کی نیابت میں مذکورہ فنڈ کا نظم کرے گا اور وکالت یا مضاربت یا اجارہ کی بنیاد پر اس کے ذرائع آمدنی کو کام میں لگائے گا وغیرہ......۔

اس صورت میں اہم یہ ہوگا کہ ایک تنظیم عمل میں لائی جائے جو ایک طرح سے واقفین کی نگرانی کرے یا تو وہ فنڈ کی انتظامیہ میں شامل ہو یا کم از کم واقفین کی عام سوسائٹی میں، بہرحال اس طرح کے بہتر انتظامات آج کے ترقی یافتہ مینجمنٹ میں کوئی مشکل نہیں، کیونکہ اس طرح کے مالیاتی اور مینجمنٹ کے ادارے پھیلے پڑے ہیں، یہ بھی اہم ہے کہ مملکت قوانین وضوابط کی روشنی میں اس طرح کے معاملات میں دخیل ہو۔

۷-نقدی وقف کے فنڈز کا میدان عمل

اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ عالم اسلام زندگی کے تقاضے پورے کرنے میں شدید مشکلات سے دوچار ہے اور اپنے باشندوں کی تعلیم، علاج، روزگار اور رہائش وغیرہ کے مسائل کو حل کرنے اور باوقار زندگی کی فراہمی میں ناکام ہے، ہم نے یہ بھی اشارہ کیا کہ ان ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جو حکومتوں کے پاس نہیں ہیں اور پرائیوٹ سیکٹر جو معاشیات پر چھایا ہوا ہے وہ ان پر توجہ نہیں کرتا، لہذا اب ایک ہی شکل بچتی ہے کہ سول سیکٹر پر مبنی رضاکار ادارے اسے کریں اور پرائیوٹ سیکٹر سے مدد لیں۔

اس کام کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف افراد اور اداروں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اقتصادی واجتماعی طور پر ضروری چیزوں کی فراہمی کے لئے سرمایہ صرف کریں، اس چیز کے لئے دین و مذہب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو انہیں رضا کارانہ مال خرچ کرنے پر آمادہ کرے، اسلام صدقات، وقف اور خیرات کی اپنی تعلیمات اور قوانین کے ذریعہ اس رجحان کو سب سے زیادہ ابھار سکتا ہے، مطلوب یہ ہے کہ پہلے یہ جذبہ ابھارا جائے اور ایک عام شعور پیدا کیا جائے، جس میں سب کو خطاب کیا جائے اور اس طور پر کہ سب اسے سمجھیں اور اس کے تمام پہلو اور نکات سب کے سامنے واضح ہو جائیں، پہلے اوقاف کی مذہبی اہمیت، پھر اقتصادی اور سماجی اہمیت بتائی جائے، پھر اس کی شکلوں اور اسالیب پر عمل کی بھرپور وضاحت ہو، لوگوں کے سامنے یہ پہلو لایا جائے کہ اس سے عام لوگوں کے مفادات کیسے پورے ہوں گے اور اس میں حصہ لینے والوں کو بہتر ثواب ملے گا، پھر مملکت اپنے قوانین اور حدود وضوابط کے ذریعہ لوگوں کو اس پر مطمئن کردے کہ ان کے عطیے اور اوقاف محفوظ رہیں گے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے خاص ہوں گے، ان کو دست درازی اور کھلواڑ سے بچایا جائے گا۔

اسی طرح یہ بھی اہم ہے کہ پرائیوٹ مالیاتی ادارے اور سرکاری ایجنسیاں بھی وقف کے فنڈز قائم کریں جو سماج کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں اور علاج کے مسئلہ، تعلیم کے مسئلہ، بے روزگاری کے مسئلہ، ریسرچ کے مسئلہ اور آبادکاری کے مسئلہ وغیرہ پر کام کریں (الامانۃ العامۃ للاوقاف، الکویت، ''الصناديق الوقفية۔ النظام العام واللائحة التنفيذية'' مطابع الخط ۱۴۱۷ھ) اور افراد اور اداروں کو ان مدات میں خرچ کرنے پر ابھاریں، اسی طرح واقفین کے مقاصد درست ہوں گے اور ان کا رخ بالفعل حقیقی خیر کے کاموں کی طرف ہوگا، لا حاصل، گھٹیا اور دین و دنیا کے لئے غیر مفید مقاصد کی طرف نہ ہوگا، ابن تیمیہ نے ایسے کاموں میں وقف کرنے کو باطل قرار دیا ہے (الفتاوی) اور یہ نہ صرف شرعاً صحیح ہے بلکہ معاشی طور پر بھی درست ہے۔

خاتمہ

بنیادی طور پر اس مقالہ میں نقد وقف سے بحث کی گئی ہے، تمہید میں اس سے متعلق بنیادی نکات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا اصل مقصود یہ ہے کہ موجودہ دور میں وقف کے کردار کو مضبوط بنایا جائے۔ مقالہ میں وقف کے ادارہ کی تعریف وتوضیح کی گئی اور پھر موجودہ دور میں اس کے کردار کی ضرورت کو اجاگر کیا گیا، مقالہ کے پہلے حصہ میں ان چیزوں سے بحث تھی تو دوسرے حصہ میں وقف نقد سے، اس حصہ میں وقف نقد کی تعریف کی گئی، اس کے سلسلہ میں فقہی موقف بیان کیا گیا، پھر وقف کی خصوصیات اور اس کے وسائل، اس کی تشکیل اور اس کی سرمایہ کاری کی بعض صورتوں کا تذکرہ کیا گیا، آخر میں اس کے بعض ادارہ جاتی اور تنظیمی امور کو بیان کیا گیا۔

اس پوری بحث سے بعض اصولیات سامنے آئیں، جن کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جارہا ہے:

اول: ایک طویل مدت سے مسلم دنیا کے اوقاف دگرگوں حالات سے دوچار ہیں، اگرچہ اب بعض جگہوں پر اس کی ترقی اور افزونی کے لئے بعض اچھی کوششیں کی جارہی ہیں۔

دوم: اوقاف کی اس ناگفتہ بہ حالت کے پیچھے بنیادی طور پر بعض وہ تصورات اور غلط فہمیاں ہیں جو اس کے احکام اور شرعی قیود سے متعلق پھیلی ہوئی ہیں، جن کے باعث وسعت تنگی میں، آسانی مشکل میں اور بہاؤ جمود میں بدل گیا، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ فقہ اسلامی میں اوقاف کے تعلق سے کافی لچک پائی جاتی ہے اور "ماجری التعامل به فوقفه جائز" (جس چیز کا تعامل جاری ہو اس کا وقف جائز ہے) کی بے نظیر عبارت سے اس بات کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے ہمیں آج شدید ضرورت ہے کہ فقہ الوقف کو نئی صورت میں سامنے لائیں اور اس کی تشکیل جدید کریں۔

سوم: معاصر مسلم دنیا کے اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی احوال کا تقاضا ہے کہ اوقاف پر

سنجیدگی سے توجہ دی جائے اور جدید اسالیب اور ٹیکنالوجی سے استفادہ کرتے ہوئے اسے ترقی دی جائے تاکہ آج کے حالات میں وہ اپنا مطلوبہ کردار ادا کرسکیں اور ان بحرانی حالات کا سامنا کیا جاسکے۔

چہارم: اوقاف کی افزائش اور ترقی دینے کی جہت میں یہ بھی اہم ہے کہ وقف نقدی کا اہتمام کیا جائے، اس لئے کہ اس کی خصوصیات اور وسائل زیادہ ہیں اور مختلف مسالک اور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، سابقہ بحث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں وقف نقد پر عمل رہا ہے اور آج وہ عصر حاضر سے پوری طرح مطابقت بھی رکھتا ہے۔

اب ضرورت اس کی ہے کہ اس کے انتظامی اور مالیاتی پہلوؤں کی کافی شافی توضیح کی جائے، ان کو بروئے کار لانے کا عمل آسان ہو جائے گا اگر ان اسلامی مالیاتی اسالیب اور طریقوں کو پیش نظر رکھا جائے جن پر اسلامی مالیاتی ادارہ کے ذریعہ عمل کیا جارہا ہے اور جن کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں ہماری تجویز یہ ہے کہ اکیڈمی وقف نقد کی انفرادی واجتماعی دونوں شکلوں کے جواز کا فیصلہ صادر کرے اور اس پر اسلامی مالیاتی ضوابط وطریقوں کو لاگو کرنے میں زیادہ لچک اور آسانی کا مظاہرہ کرے، اس طرح وقف کے سلسلہ میں امام قرافیؒ کے مندرجہ ذیل قول پر عمل کیا جاسکے گا: "هو من أحسن القرب وينبغي أن تخفف شروطه" (وقف ثواب حاصل کرنے کی بہتر صورتوں میں سے ایک ہے اور اس کی شرطوں کو آسان ہونا چاہئے) (الذخیرہ ۶/ ۳۲۲)، نیز اکیڈمی مسلم حکومتوں سے یہ سفارش کرے کہ وہ لوگوں کو اوقاف کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنے قوانین اور طریقہ کار پر نظر ثانی کریں۔

☆☆☆

وقف کا مقام اور سماجی مسائل کے حل میں اس کا کردار

عبدالرحمٰن بن سلیمان المطرودی ☆

تمہید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن إلا و أنتم مسلمون" (سورہ آل عمران: ۱۰۲) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے اور جان نہ دینا بجز اس حال کہ تم مسلم ہو)۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے: "یا أیھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونساء واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والأرحام إن اللہ کان علیکم رقیباً" (سورہ نساء: ۱) (اے لوگو! اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہ کثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے)۔

نیز فرمان باری ہے: "یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً

☆ سکریٹری وزارت برائے اموراوقاف، سعودی عرب۔

يصلح لكم أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً" (سورہ احزاب: ۷۰، ۷۱) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا)۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کے سلسلہ میں فرمایا: "**وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين**" (سورہ انبیاء: ۱۰۷) (اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)۔ اسی طرح فرمایا: "**لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤوف رحيم**" (سورہ توبہ: ۱۲۸) (تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسے رسول آئے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، وہ تمہاری مغفرت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے انہیں نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کا حکم دیا: "**تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شديد العقاب**" (سورہ مائدہ: ۲) (نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون نہ کرو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، بلاشبہ اللہ شدید سزا دینے والا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ایک دوسرے کا دینی بھائی بنایا تا کہ ہر بھائی اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے: "**والله لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه**" (خدا کی قسم تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

میرے لئے خوشی و مسرت کی بات ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ذمہ داروں کی

گذارش قبول کرتے ہوئے اسلام میں وقف کی اہمیت، معاشرہ کی ترقی کے لئے اس کی ضرورت اور سماج کے معاشی مسائل کے حل میں اس کے کردار کے موضوع پر ایک مقالہ لکھوں، خاص کر اس لئے بھی کہ یہ حضرات ہندوستانی معاشرہ کو درپیش موجودہ مسائل کے حل کے لئے اسلامی اوقاف قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان مسائل میں سرفہرست یتیموں، مطلقہ عورتوں اور بیواؤں کے حالات ومسائل ہیں، اسی طرح مریضوں کا علاج، مختلف سماجی شعبوں کے تقاضے، صحت کے مسائل نیز تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کی ضروریات بھی ان میں شامل ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وقف انفاق فی سبیل اللہ کے میدان سے متعلق اسلام کی معروف ترین سنتوں میں سے ایک ہے، یہ اپنی حقیقت ومنہج کے اعتبار سے ایک انوکھا اسلامی انتظام ہے۔ یہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے صدقہ جاریہ ہے اور منہج کے لحاظ سے صدقہ کے تسلسل اور صدقہ کے ماخذ کے دوام کا جامع ہے۔ یہ صدقہ کا ماخذ عین وہ شئی ہے جو بلند دینی تعلیمات وقوانین کے مطابق صدقہ کی جائے۔ یہ تعلیمات زندگی کے مسائل میں انسان کی مدد کرتی ہیں۔ وقف نے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف اسلامی معاشروں کی ترقی اور تکافل میں اہم کردار ادا کیا ہے، یہ ہر زمان ومکان میں اپنا یہی زبردست کردار ادا کرنے پر قادر ہے اگر اسے نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے طریقہ کے مطابق شرعی بنیادوں پر روبہ عمل لایا جائے۔

پیش نظر مقالہ مندرجہ ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

مبحث اول: فقہ الوقف: اس میں اختصار کے ساتھ موضوع کے فقہی زاویہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا مقصد وقف کے سلسلہ میں فقہی اجتہادات کی وضاحت کرنا نیز یہ اجاگر کرنا ہے کہ وقف کے مسائل میں فقہی احکام اور علماء کی آراء اور ان کے مسالک میں بے حد لچک پائی جاتی ہے۔

مبحث دوم : معاشرہ کی ترقی میں رفاہی اوقاف کا مقام: اس میں اسلامی

معاشرہ کوترقی دینے ،آگے بڑھانے ،امداد باہمی اورافراد کےتعاون میں رفاہی اوقاف کےمقام ومرتبہ کی توضیح کی گئی ہےاور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اوقاف اب بھی یہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔

مبحث سوم اور چہارم میں چند متعین موضوعات پر بحث کی گئی ہے، چنانچہ **مبحث سوم** کا موضوع بیماروں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کے لئے اوقاف کی اہمیت ہے، اس میں بطور خاص سوسائٹی کے مذکورہ طبقات سے متعلق شرعی احکام کی طرف بھی اشارے کئے گئے ہیں۔

مبحث چہارم میں دعوت وتبلیغ اور تعلیمی میدانوں میں اوقاف کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں علم کا مقام واضح کیا گیا ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی اشاعت کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، اسی طرح یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے دور عروج میں کتابوں کی تالیف، نشرواشاعت اور لائبریریوں اور دارالعلوموں کے قیام میں وقف کا کیا کردار رہا ہے۔

بحث کے اختتام میں ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش اقتصادی، ترقیاتی اور سماجی مسائل کے حل کے لئے اسلامی اوقاف کے قیام کی تشکیل وتاسیس سے متعلق چند اہم سفارشات ذکر کی گئی ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اس کام کو اپنی رضا کے لئے خاص کرلے اور سب کو کتاب وسنت کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، سب کی محنتوں کو بابرکت بنائے اور ان کو درست راستہ کی رہنمائی فرمائے۔

مبحث اول - فقہ الوقف

اسلام میں وقف کی ضرورت واہمیت اور اسلامی معاشرہ کی ترقی میں اس کے کردار پر گفتگو کرتے وقت شاید اس طرف اشارہ کرنا بھی اہم ہوگا کہ امت مسلمہ ایک متبع امت ہے نہ کہ مبتدع (بدعتی)، اس لئے ضروری ہے کہ وقف سے متعلق بعض فقہی احکام کی واقفیت حاصل کی جائے، اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا ارادہ ہے کہ ہندوستانی معاشرہ کی ضرورت کے میدانوں سے دلچسپی لینے والے اسلامی اوقاف قائم کرے۔ یہ میدان اور گوشے صحت، سماج، تعلیم وتربیت، ترقی اور دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں۔ وقف سے متعلق فقہی احکام کا جاننا اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ اس قسم کے اوقاف کا قیام شرعی طور پر درست، کتاب وسنت کے مطابق اور صحابہؓ کے عمل پر مبنی ہو، کیونکہ ان اوقاف کی درست شرعی بنیاد ہی ان کے تحفظ اور ان کے دوام وبقاء کی ضامن ہے، کیونکہ صحیح آغاز اور درست مقدمات کا نتیجہ بالعموم بہتری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس مقالہ میں وقف کے موضوع سے متعلق بعض فقہی پہلوؤں سے اختصار کے ساتھ تعرض کیا جائے گا، جیسے وقف کی لغوی واصطلاحی تعریف، کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے اس کی شرعی دلیلیں، اس کی مشروعیت کی حکمت اور وقف کے ارکان وشرائط وغیرہ۔

اول- وقف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

الف- لغوی تعریف: لغت میں وقف کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ وقف یقف بمعنی "حبس" کا مصدر ہے، تحبیس اور تسبیل اس کے مترادف ہیں، کہتے ہیں: "وقفت الدار للمساكين وقفاً" یعنی میں نے گھر کو مسکینوں کے لئے روک دیا۔ "وقفت الدابة" یعنی میں نے سواری کو روک لیا، لیکن "أوقفت" کہنا درست نہیں، یہ غیر فصیح لغت ہے، علماء لغت

نے اسے ناپسند کیا ہے، چنانچہ فیروز آبادی کہتے ہیں کہ فصیح کلام میں أوقف یا تو سکت (وہ خاموش رہا) یا أمسک و أقلع (رک گیا) کے معنی میں آتا ہے، جوہری نے کہا کہ کلام عرب میں أوقفت صرف ایک معنی میں آتا ہے جیسے "أوقفت عن الأمر الذي كنت فيه" (میں جس کام میں لگا تھا اس سے رک گیا)، راغب نے کہا ہے: لغت میں اس کے معنی ہیں: حرکت سے روک دینا، لغت کی رو سے یہ کبھی حسی ہوتا ہے، مثلاً وقفت الدار اور کبھی معنوی مثلاً "وقفت جهودي لإصلاح الناس" یعنی میں نے اپنی کوششیں لوگوں کی اصلاح پر مرکوز کردیں۔

ب- **اصطلاحی تعریف:** وقف کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسا کہ اس کے ارکان وشروط میں مختلف فقہی مذاہب کے درمیان اختلاف ہے۔ میں یہاں مذاہب اربعہ کی بعض تعریفات اختصار سے بیان کروں گا:

مذهب حنفی: مرغینانی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: وقف کسی شئ کو اللہ کی ملکیت قرار دے کر روک لینا اور اس کے منافع کو صدقہ کردینا ہے۔

مذهب مالکی: اقرب المسالک میں ہے کہ یہ مالک کا اپنی مملوک شئ کی منفعت کو اگرچہ اجرت کے ساتھ ہو یا اس کی آمدنی کو مخصوص عبارت کے ذریعہ اتنی مدت تک کے لئے جتنی وہ مناسب سمجھے کسی مستحق کے لئے خاص کردینا ہے۔

مذهب شافعی: رملی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: یہ ایسے مال کو جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو، اصل کو باقی رکھتے ہوئے، اس کی ملکیت میں تصرف کئے بغیر کسی موجود اور مباح مصرف کے لئے روک لینا ہے۔

مذهب حنبلی: ابن قدامہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: یہ اصل کو روک لینا اور ثمرات کو اللہ کے راستہ میں دینا ہے۔ یہ تعریف نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ماخوذ

ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا: "حبس الأصل وسبل الثمرة" (اصل کو باقی رکھو اور پھل کو خرچ کرو)۔

اسلام میں وقف چونکہ شرعی معاملات میں سے ہے، اس لئے اعتبار عملی معانی کا ہوگا، الفاظ اور حروف کا نہیں، یہاں وہ تعریف زیر بحث ہے جو معاملات کی صورتوں اور عملی صورت حال سے ہم آہنگ ہو، عملی لحاظ سے میں جس تعریف کو بہتر سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ "مالک شئ مملوک میں اپنا تصرف روک دے اور اس کی آمدنی یا منافع کو صدقہ کردے"۔

دوم- وقف کی مشروعیت

وقف انفاق فی سبیل اللہ کے اہم ترین، سب سے زیادہ باعث اجر، سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ دیرپا طریقوں میں سے ایک ہے، اس کی مشروعیت کے بارے میں کتاب وسنت سے بہت سی نصوص وارد ہیں، اکثر اہل علم کے نزدیک وہ مشروع ہے، جمہور علماء کی رائے اس کے مشروع اور لازم ہونے کی ہے۔

یہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، کیونکہ یہ نیکی اور خیر کے کاموں میں سے ہے اور ان بڑی عبادتوں میں سے ہے جن کے ذریعہ بندہ اللہ سبحانہ کی قربت حاصل کرتا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: سلف اور ان کے بعد کے اکثر اہل علم وقف کو درست سمجھتے ہیں، صرف شریح وقف کے قائل نہیں ہیں جو فرماتے ہیں کہ مال میں اللہ تعالی نے حقوق متعین کردیئے ہیں، ان کو نظر انداز کرنا اور مال کو روکنا جائز نہیں۔

ابن رشد کہتے ہیں: وقف ایک جاری سنت ہے، اس پر نبی ﷺ اور آپ کے بعد کے مسلمان عامل رہے ہیں، اس کی مشروعیت پر کتاب وسنت اور اجماع دلالت کرتے ہیں۔

الف- قرآن سے وقف کی دلیلیں

کتاب اللہ میں متعدد نصوص اور بہت سی ایسی آیات ہیں جو انفاق کی مشروعیت اور عمل

خیر پر آمادہ کرتی ہیں اور خیر کے کاموں میں سب سے اہم عمل وقف ہے۔ یہ نصوص درج ذیل ہیں:

"لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شئ فإن الله به علیم" (آل عمران:۹۲) (تم ہرگز نیکی نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے)۔

نیز فرمایا:

"یاأیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم بآخذیه إلا أن تغمضوا فیه واعلموا أن الله غنی حمید" (بقرہ:۲۶۷) (اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی کر جاؤ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے)۔

"إنما أموالکم وأولادکم فتنة والله عنده أجر عظیم فاتقوا الله مااستطعتم واسمعوا وأطیعوا وأنفقوا خیرا لأنفسکم ومن یوق شح نفسه فأولئک هم المفلحون إن تقرضوا الله قرضا حسنا یضاعفه لکم ویغفر لکم والله شکور حلیم" (تغابن:۱۵-۱۷) (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے، لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے، جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے، بس وہی فلاح پانے والے ہیں، اگر تم اللہ کو قرض حسن دو، تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا، اور تمہارے قصوروں سے درگذر فرمائے گا، اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے)۔

اور فرمایا:

"وما يفعلوا من خير فلن يكفروه والله عليم بالمتقين" (آل عمران: ۱۱۵)
(اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے)۔

اور فرمایا:

"ياأيها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا واعبدوا ربكم وافعلوا الخير لعلكم تفلحون" (حج: ۷۷) (اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو، اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، اور نیکی کرتے رہو تا کہ فلاح پاجاؤ)۔

اور فرمایا:

"مثل الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله كمثل حبة أنبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء والله واسع عليم" (بقرہ: ۲۶۱)
(جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیاں اگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے)۔

ب-سنت سے وقف کی دلیلیں

وقف کی مشروعیت سے متعلق بہت ساری احادیث اور بے شمار روایات وارد ہیں، یہ عمومی یا خصوصی طور پر وقف کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، یہ قولی بھی ہیں اور فعلی بھی۔ خصاف نے ان میں سے بہت سی نصوص کو اپنی کتاب "احکام الاوقاف" میں بیان کیا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱- بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت عمر کو خیبر میں ایک زمین ملی، اس کے بارے میں مشورہ کے لئے وہ نبی ﷺ کے پاس

آئے اور بولے: یارسول اللہ مجھے خیبر میں ایک ایسی زمین ملی ہے جس سے عمدہ کبھی کوئی مال نہیں ملا، اس بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو اصل کو روک کر اسے صدقہ کردو' راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ صدقہ (وقف) کردیا اس نیت کے ساتھ کہ اس کی اصل نہ فروخت کی جائے گی، نہ خریدی جائے گی، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور نہ وہ بطور ہبہ کسی کو دی جائے گی۔ یہ وقف فقراء، قرابت داروں، غلاموں، فی سبیل اللہ، مسافر اور مہمانون کے لئے تھا، اس کے ذمہ دار کو دستور کے مطابق اس میں سے لینے کی اجازت تھی، اسی طرح اس سے غیر متمول دوست کو کھلانے کی بھی اجازت تھی (بخاری)۔

نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وقف کی اصل درست ہے، نیز اس بات کی بھی کہ یہ جاہلیت کے شائبوں سے پاک ہے، یہی ہمارا اور جمہور کا مسلک ہے۔ اس پر مسلمانوں کا یہ اجماع بھی دلیل ہے کہ مساجد اور سقایات (آب رسانی کے ذرائع) کا وقف درست ہے۔

۲- مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (صحیح مسلم) (جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے البتہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اجر اسے ملتا رہتا ہے: صدقہ جاریہ، مفید علم اور نیک اولاد کی دعائیں)، نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں وقف کی بنیاد کے صحیح ہونے اور اس کے باعث ثواب ہونے کی دلیل ہے۔

ج- اجماع سے وقف کی دلیلیں

اس کی مشروعیت پر علماء کا اجماع ہے، اسے رافعی اور ابن قدامہ نے بیان کیا ہے۔

رافعی کہتے ہیں: وقف پر صحابہؓ کا قولی اور فعلی اتفاق مشہور ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: جابر فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں کوئی بھی وسعت والا شخص ایسا نہ تھا جس نے وقف نہ کیا ہو، اس پر ان کا اجماع ہے کہ ان میں جو بھی وقف پر قادر تھا اس نے وقف کیا اور یہ چیز مشہور ہوئی، اس پر کسی نے بھی نکیر نہیں کی، لہذا اجماع ثابت ہو گیا۔

حدیث عمرؓ پر ترمذیؒ نے یہ حکم لگایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، صحابہ اور دیگر اہل علم کے نزدیک اس پر ہی عمل ہے، ہم ان کے متقدمین میں زمین وغیرہ کے وقف کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں پاتے (سنن الترمذی)۔

سوم- وقف کی مشروعیت کی حکمت

یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اسلامی قوانین اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ ایک مسلمان کا اپنے خالق جل شانہ سے تعلق مضبوط ہونا چاہئے۔ اس تعلق کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید خالص، تنہا اسی کی معبودیت اور تمام اقوال وافعال میں صرف اسی کے قصد پر ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی احکام نازل کئے ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی خاطر انسانوں سے باہم محبت کی بنیاد پر مسلمان آپس میں اپنے رشتے مضبوط کریں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان سے تعلق کو مضبوط بنانے، اس کی خبر گیری اور اس کی حاجت روائی کے اصول تک پہنچانے والے وسائل میں سے وقف ہے، اس کی حکمتیں عظیم اور اس کے مقاصد بلند ہیں، یہ حکمتیں اور مقاصد مسلمانوں کے عام وخاص مصالح کے دائرہ میں پورے ہوتے ہیں۔ نصوص شرعی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلامی شریعت بندوں کی مصلحتوں کے لئے وضع کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل وكان الله عزيزا حكيماً" (نساء:۱۶۵) (اور پیمبروں کو ہم نے بھیجا خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر تا کہ لوگوں کے لئے پیمبروں کے آنے کے بعد اللہ کے سامنے عذر نہ باقی رہ جائے اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست بڑا حکمت والا) اور فرمایا: "وما أرسلناك إلا رحمة

للعالمین" (انبیاء:۱۰۷) (اے نبی ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لئے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)۔

اسلام میں احکام شرع کی تکلیف کی بنیاد مخلوق سے متعلق شرعی مقاصد کی حفاظت پر ہے۔ یہ مقاصد تین ہیں:

۱-ضروری، ۲-حاجی، ۳-تحسینی۔

ضروری مقاصد کا مفہوم یہ ہے کہ دین و دنیا کے مصالح کے لئے ان کی تکمیل ضروری ہو، ان کی حفاظت دو چیزوں سے ہوگی: ایک اس ذریعہ سے جس سے اس کے ارکان وقواعد کو مضبوط کیا جاسکے اور دوسرے اس ذریعہ سے جس کے سہارے وقوع پذیر یا متوقع خرابی کو دور کیا جاسکے، یعنی سلبی طور پر مقاصد کی رعایت۔

ضروریات مجموعی طور پر پانچ ہیں:

۱-دین کی حفاظت، ۲-جان کی حفاظت، ۳-نسل کی حفاظت، ۴-مال کی حفاظت، ۵-عقل کی حفاظت۔

جہاں تک حاجی مقاصد کی بات ہے تو ان کا مفہوم یہ ہے کہ توسیع کے پہلو سے ان کی ضرورت ہو اور ان کے ذریعہ اس تنگی کو رفع کیا جائے جو اغلبی طور پر حرج میں مبتلا کرتی ہے اور جس سے مطلوب فوت ہو جائے، ان کا لحاظ نہ رکھا جائے تو مکلفین بالجملہ حرج ومشقت میں مبتلا ہو جاتے ہوں، البتہ یہ حرج مصالح عامہ میں متوقع عمومی فساد کے درجہ میں نہیں ہوتا۔

تحسینی مقصد یہ ہے کہ اچھی عادات واخلاق کو لیا جائے اور عقل سلیم جن بری چیزوں سے ابا کرتی ہو ان سے اجتناب کیا جائے، اس میں مکارم اخلاق بھی آجاتے ہیں، جن چیزوں پر حاجی اور ضروری مقاصد منطبق ہوتے ہیں ان ہی پر تحسینی بھی منطبق ہوتے ہیں مثلا عبادات میں نفل نمازیں اور تمام سنتیں، زینت وجمال، خیر کے کام کرنا، صدقات، احسان تقرب وغیرہ کے دوسرے کام۔

ان چیزوں میں وقف سماج کے احوال وظروف کے مطابق شامل ہے۔

وقف صدقات، زکاۃ، ہدیے اور خیرات وغیرہ میں انفاق کی صورتیں متنوع ہیں۔ شریعت اسلامی نے مسلمان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ انفاق کی جس مشروع صورت کو چاہے اختیار کرلے۔ تاہم انفاق کی سب سے افضل صورت وہ ہے جس کا فائدہ عام ہو، جو برقرار اور جاری رہے، وقف میں میں عمومی فائدہ اور نفع ہے، اسی وجہ سے وہ ان عباداتی کاموں میں سے ہوگیا جن سے اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے، قرآن کریم نے متعدد آیات میں اس پر ابھارا ہے، چنانچہ فرمایا: "لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شئ فإن الله به عليم" (آل عمران: ۹۲) (جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کروگے نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکوگے)۔ اسی طرح فرمایا: "مثل الذين ينفقون أموالهم في سبيل الله كمثل حبة أنبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء والله واسع عليم" (بقرہ: ۲۶۱) (جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیں اگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے)۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاثة: وعدّ منها صدقة جارية" (مسلم) (جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا ہر عمل منقطع ہوجاتا ہے، بجز تین کے: ان میں سے آپ نے صدقہ جاریہ کا شمار فرمایا)۔ وقف دو وجوہ سے بقیہ صدقات اور ہدایا سے ممتاز ہے:

پہلی وجہ: اس کا تسلسل۔

دوسری وجہ: اس کی پائداری۔

پہلی وجہ: وقف کے تسلسل کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ وہ ان ابواب خیر میں سے ہے جن کا اجر وثواب جاری رہتا ہے، جیسا کہ حدیث گزری کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا ہر عمل منقطع ہوجاتا ہے، بجز تین کے، صدقہ جاریہ..... واقف کی جانب سے وقف سے یہی مقصود ہوتا ہے۔

دوسرا پہلو خیر اور نیکی کے کاموں میں اس کے فائدہ کا تسلسل ہے جو کہ ملکیت کی منتقلی سے بھی منقطع نہیں ہوتا، امت کے اس سے مستفید ہونے کی جہت سے وقف کا یہی مقصود ہے۔

دوسری وجہ: یعنی وقف کی پائیداری جس کے معنی یہ ہیں کہ وقف ایک مستقل اسلامی مالیاتی ادارہ ہے جو اس میدان میں خرچ کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے جس کے لئے وقف ہوتا ہے، امت کو جب شدید حالات ومصائب پیش آتے ہیں اس وقت اس کی زبردست خدمت کرتا ہے، وقف اعمال خیر کے تسلسل اور پائیداری کا ذریعہ ہے، کیونکہ دعوتی، تعلیمی اور ریلیف کے کاموں نیز مدارس ومساجد پر خرچ کرنے میں اس کا بڑا کردار ہے۔

وقف کے ہونے سے وہ خدمات اور امت کے وہ فرائض اور سرگرمیاں نہیں رکتیں جو کم آمدنی اور کم انفاق سے رک سکتی تھیں۔ فقہاء نے وقف کی مشروعیت کی مندرجہ ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

۱- وقف کے ذریعہ مسلمانوں کے امداد باہمی کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔

۲- اس کے ذریعہ امت کے مصالح اور اس کی ضرورتیں انجام پاتی ہیں اور اس کی ترقی ونموپذیری میں مدد ملتی ہے۔

۳- اس میں مال کی بقاء اور اس سے دائمی انتفاع کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

۴- یہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور اس سے اجر وثواب کا حصول ہوتا ہے۔

۵- اس سے نیکی وخیر کے کاموں کو دوام ملتا ہے۔

۶ - وقف کے ذریعہ مال کو کھلواڑ سے بچایا جا سکتا ہے مثلاً اولاد کی فضول خرچی یا رشتہ دار کے غلط تصرف سے۔

مجموعی حیثیت سے وقف سے وسیع پیمانے پر اجتماعی مقاصد واہداف کی تکمیل ہوتی ہے، خیر کے وسیع الاطراف کام کیے جا سکتے ہیں، اسلامی معاشرہ کی ضروریات ومطالبات جیسے بھی ہوں ان میں مختلف طرح سے وقف کا استعمال ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اخروی اجر وثواب تو ہے ہی۔

چہارم-ارکان وقف

کسی شی کا رکن اس کا وہ جز ولازم ہوتا ہے جس کے بغیر اس کا تحقق نہ ہوتا ہو، کسی معاملہ کا رکن وہ جز ہے جس کے بغیر وہ عقد وجود پذیر نہ ہو، ارکان وقف کے بیان میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ یہ ہر وہ لفظ ہے جو وقف پر دلالت کرے۔ جمہور نے اس کے مندرجہ ذیل ارکان بتائے ہیں:

۱-واقف، ۲-جس پر وقف کیا جائے، ۳-موقوف، ۴-صیغۂ وقف۔

ابن نجیم البحر الرائق میں لکھتے ہیں کہ وقف کا رکن وہ الفاظ ہیں جو وقف پر دلالت کریں۔

خرشی لکھتے ہیں: وقف کے ارکان چار ہیں: عین موقوفہ، صیغہ وقف، واقف، موقوف علیہ۔

نووی نے کہا: اس کے ارکان چار ہیں: واقف، موقوف، موقوف علیہ اور صیغۂ وقف۔

غایۃ المنتہیٰ اور اس کی شرح مطالب اولی النہی میں ہے کہ وقف کے ارکان چار ہیں: واقف، موقوف علیہ، وہ لفظ جس کے ذریعہ وقف کیا جائے اور عین موقوفہ، فقہاء نے ان الفاظ کی دو قسمیں کی ہیں جن سے وقف منعقد ہوتا ہے:

پہلی قسم: صریح الفاظ یعنی جو وقف پر بغیر کسی قرینہ کے دلالت کریں اس طور پر کہ وہ اسی معنی میں استعمال ہوتے ہوں، وہ یہ ہیں: وقف، حبس، تسبیل، وقف کا لفظ تو اسی کے لئے موضوع لہ اور اسی سے معروف ہے، تحبیس اور تسبیل عرف شرع میں وقف کے لئے ثابت ہیں، مثلاً نبی علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "حبس الأصل وسبل الثمرة" (اصل کو روک کر اس کے پھل کو وقف کردو)۔

مختصر خلیل اور اس کی شرح الشرح الصغیر میں ہے: چوتھا رکن صریح صیغہ ہے جیسے وقفت، حبست، یا سبلت ہے۔ شیرازی نے لکھا ہے: وقف، حبس اور تسبیل یہ صریحی صیغے ہیں، ابن قدامہ نے مقنع میں لکھا ہے: وقف کا صریح صیغہ وقفت، حبست اور سبلت ہے۔ حنفیہ کی یہ رائے اوپر گزر چکی ہے کہ وہ وقف کے ارکان کو صیغہ میں محصور کرتے ہیں۔ خرشی کا کہنا ہے: اگر یوں کہے کہ میں نے فقراء اور مساکین یا طلبہ علم وغیرہ کے لئے صدقہ کیا، تو وقف صحیح اور ہمیشہ کے لئے ہو جائے گا بشرطیکہ اس نے اس میں اس قسم کی کوئی قید لگادی کہ اسے نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے۔

شیرازی نے کہا: لفظ "تصدق" وقف کا کنایہ ہے، کیونکہ یہ لفظ صدقہ نافلہ اور وقف کے مابین مشترک ہے، اس لئے صرف اس لفظ سے وقف کرنا صحیح نہ ہوگا، البتہ اگر وقف کی نیت یا مندرجہ ذیل پانچ الفاظ میں سے کوئی لفظ اس سے جوڑ دے مثلاً کہے: "تصدقت به صدقة موقوفة أو محبوسة أو مسبلة أو مؤبدة أو محرمة" تو وقف ہو جائے گا یا تصدق کے ساتھ وقف کا حکم بیان کردے، مثلاً کہے: یہ وہ صدقہ ہے جسے نہ بیچا جاسکتا ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے نہ وراثت میں دیا جاسکتا ہے، تب بھی وقف ہو جائے گا، کیونکہ ان قرائن کے ساتھ اور کوئی احتمال باقی نہ رہے گا۔

دوسری قسم: الفاظ کنائی کی ہے، جن میں وقف کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو،

جیسے صدقہ، نذر تو ان الفاظ سے وقف تبھی صحیح ہوگا جب ان کے ساتھ وقف کے معنی پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ بھی جوڑا جائے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: وقف کا کنایہ **تصدقت، حرمت** اور **أبدت** جیسے الفاظ ہیں، کنایہ سے وقف صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ اس کی نیت ہو یا دوسرے الفاظ میں سے کوئی لفظ اس سے ملایا جائے یا وقف کا حکم بیان کیا جائے، مثلاً کوئی شخص کہے: میں نے صدقہ موقوفہ کردیا یا موقوفہ کے علاوہ **محبسة، مسبلة، محرمة** یا **مؤبدة** جیسے الفاظ استعمال کرے یا ساتھ میں یوں کہہ دے: اسے بیچا نہ جائے گا، نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت چلے گی۔

ابن قدامہ الشرح الکبیر میں لکھتے ہیں: اگر کنایات کے ساتھ تین میں سے کوئی چیز جوڑ دی جائے تو کنایہ کے لفظوں سے بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔ وہ یہ ہیں:

۱- واقف وقف کی نیت کرے، تو نیت سے وہ باطن میں وقف ہو جائے گا، ظاہر میں نہیں۔

۲- یہ کہ اس میں کوئی لفظ پانچوں الفاظ میں سے جوڑ دیا جائے مثلاً کہے: صدقہ موقوفہ، یا محبسہ، یا مسبلہ یا مؤبدہ یا محرمہ۔

۳- یہ کہ واقف وقف کو اس کی صفات سے متصف کرے، مثلاً کہے: "**صدقة لا تباع، ولا توهب لا تورث**"، اسی پر اکتفا کرے، کیونکہ ملزوم کا ذکر لازم کے صریح ذکر سے بے نیاز کردیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی لفظ کسی مخصوص جہت میں مال وقف کرنے والا ہی استعمال کرے گا۔

پنجم- وقف بالفعل کا حکم

اس مبحث سے وقف بالفعل کا حکم بھی تعلق رکھتا ہے، اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ، مالکیہ اور حنابلہؒ یہ کہتے ہیں کہ وقف بالفعل ثابت ہو جائے گا، اگر اس کے ساتھ ایسے قرائن پائے

جائیں جو وقف پر دلالت کریں مثلاً واقف کوئی مسجد بنوادے اور اس میں نماز کی اجازت دے دے۔

مذہب حنفی: مرغینانی فرماتے ہیں کہ اگر مسجد بنادے گا تو اس سے اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی جب تک اپنے طریقہ سے اسے ملکیت سے نکال نہ دے اور اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت نہ دے دے۔ اگر کسی ایک نے نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی، اسے ملکیت سے نکالنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہ ہوگی۔ اس میں نماز کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ حوالگی ضروری ہے اور تسلیم نوع کی شرط ہے جو کہ مسجد ہونے کی صورت میں اس میں نماز سے ہی پوری ہوگی یا اس لئے کہ جب قبضہ دشوار ہو تو قبضہ کی جگہ اس کے مقصود کا تحقق لے لے گا پھر اس میں ایک کی نماز بھی کافی ہوگی، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے منقول ایک روایت ہے، کیونکہ پوری جنس کا عمل دشوار ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ نماز کی ادائیگی کی شرط لگائی جائے، کیونکہ مسجد تو بالعموم اسی کے لئے بنائی ہی جاتی ہے، امام ابویوسف کہتے ہیں کہ اس کے قول ''میں نے اسے مسجد کے لئے کردیا'' سے اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی۔

مالکی مذہب: دسوقی شرح کبیر کے اپنے حاشیہ میں وقف کے صیغہ کے سلسلہ میں خلیل کے قول: حبست ووقفت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ایسے الفاظ جو حبست ووقفت کے قائم مقام ہوں، مثلاً تخلیہ کہ مسجد بنائے اور اس کے اور لوگوں کے بیچ تخلیہ کردے، اگرچہ مسجد کچھ لوگوں کے لئے مخصوص نہ ہو، نہ یہ تخصیص ہو کہ اس میں فرض پڑھی جائے نفل نہیں، لہذا مسجد بنا کر اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت دینا بھی وقف کی تصریح کے مثل ہوگا۔ اگرچہ کسی وقف یا افراد کی تخصیص نہ ہو، ایسے ہی اگر نماز کو مقید نہ کرے کہ فرض ہی ہو، تو پھر کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی اور اس پر وقف کا حکم لگایا جائے گا۔

شافعی مذہب: شیرازی کہتے ہیں: وقف صرف قول کے ذریعہ ہی درست ہے، لہذا اگر واقف نے کوئی مسجد بنوائی اور اس میں نماز ادا کی یا لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی تو یہ وقف نہیں ہوا۔

نووی کہتے ہیں: اگر مسجد کی طرز کی کوئی عمارت بنوائی یا کسی اور طرز کی کوئی عمارت بنوائی اور اس میں لوگوں کو نماز ادا کرنے کی اجازت دی تو وہ مسجد نہ ہوگی، اسی طرح اگر اپنی ملکیت میں تدفین کی اجازت دی تو اس سے وہ زمین قبرستان نہ ہوگی خواہ اس جگہ میں نماز ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اسی طرح اس میں تدفین ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

حنبلی مذہب: ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام احمد کے مذہب کا ظاہر یہ ہے کہ وقف بالفعل اس پر دلالت کرنے والے قرائن کے ذریعہ ثابت ہوجاتا ہے، مثلاً مسجد بنائی اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی، یا مقبرہ بنایا اور اس میں دفن کرنے کی اجازت دی یا پانی کی سبیل بنائی اور اس سے پینے کی لوگوں کو اجازت دی، کیونکہ امام احمدؒ نے ابوداؤد اور ابوطالب کی ایک روایت میں ایسے آدمی کے بارے میں جس نے مسجد میں کوئی مکان داخل کردیا اور نماز کی اجازت دی، کہا ہے کہ اسے رجوع کا حق نہ ہوگا، یہی حکم اس کا ہوگا جس نے قبرستان بنایا یا سبیل بنوائی اور لوگوں کو استعمال کی اجازت دے دی، اسے بھی رجوع کا حق نہ ہوگا۔

راجح یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں اگر قرائن ہوں تو بالفعل وقف ثابت ہوجائے گا، کیونکہ عرف میں اس کا اعتبار ہے اور عرف میں اس پر وقف کی دلالت ہے، لہذا قول کی طرح عرف سے بھی وقف ثابت ہونا چاہیے مثلاً کسی نے اپنے مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا تو عرف میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے کھانے کی اجازت دے دی، کسی نے راستہ میں پانی کا مٹکا رکھ دیا تو سمجھا جائے گا کہ اس نے یہ فی سبیل اللہ دے دیا ہے۔ کسی نے لوگوں میں کچھ بکھیر دیا تو سمجھا جائے گا کہ یہ اس کو لینے کی اجازت ہے، اسی طرح حمام میں داخل ہونا اور اس کا پانی بغیر اجازت

کے استعمال کرنا دلالت حال کی وجہ سے مباح ہوگا۔تو جس طرح بغیر لفظ بولے لین دین سے بیع ہوجاتی ہے اور دلالت حال سے ہبہ اور ہدیہ صحیح ہوجاتا ہے، اسی طرح یہاں وقف بھی ہوجائے گا۔

مبحث دوم

سماج کی ترقی میں رفاهی اوقاف کی اهمیت اور ان کا مقام

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ اور بے شمار ہیں، اس نے فرمایا: ''وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها إن الله غفور رحیم'' (نحل:۱۸) (اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو گن نہ سکوگے، بلاشبہ اللہ غفور اور رحیم ہے)۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی اور عظیم تر اسلام کی نعمت ہے، اللہ نے فرمایا: ''یمنون علیک أن أسلموا قل لا تمنوا علی إسلامکم بل الله یمن علیکم أن هداکم للإیمان إن کنتم صادقین'' (حجرات:۱۷) (یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو)۔

اللہ کی نعمتیں تمام احوال، گوشوں اور میدانوں میں متعدد اور متنوع ہیں، یہ زبردست نعمتیں، عظیم احسانات اور بے شمار انعامات تمام ہی لوگوں کے لئے عام ہیں اور زندگی کے ہر چھوٹے بڑے، خفیہ، اعلانیہ اور ماضی، حال و مستقبل اور کائنات کی تمام باریکیوں کو محیط ہیں۔

مسلمان بندوں پر اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے یہ ہے کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، آپ ﷺ اللہ رب العالمین کے پاس سے ایک متوازن شریعت لے کر آئے جس سے لوگوں

کے دنیاوآخرت کے امور درست ہوں اورانہیں صراط مستقیم کی رہنمائی ملے۔اللہ نے فرمایا:"هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين" (جمعہ:۲) (وہی ہے جس نے امیوں کے اندرایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جوانہیں اس کی آیات سناتا ہے،ان کی زندگی سنوارتا ہے، اوران کو کتاب اورحکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے)۔اللہ نے ان کے لئے دین کی تکمیل کی اوران پر دین کا اتمام کیا،فرمایا:"أليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا" (آج میں نے تمہارے لئے دین کومکمل کردیا،اپنی نعمت تم پر تمام کردی اورتمہارے لئے اسلام کودین کے بطور پسند کرلیا)۔انھیں خیرامت بنایا جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے،اسی طرح فرمایا:"كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ولو آمن أهل الكتاب لكان خيرا لهم منهم المؤمنون وأكثرهم الفاسقون" (آل عمران: ۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو، جولوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے،تم بھلائی کاحکم دیتے ہواور برائی سے روکتے ہواوراللہ پرایمان رکھتے ہو،اوراہل کتاب بھی اگرایمان لے آتے توان کے حق میں بہت خوب ہوتا،ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں مگراکثران میں سے نافرمان ہیں)۔اس دین کی تکمیل یہ ہے کہ یہ زندگی کے تمام گوشوں کومحیط اوراس میں زندگی کے تمام مادی ومعنوی اطراف شامل ہیں۔یہ انسانی شخصیت کےتمام مطالبات وضروریات کو پورا کرتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ خالق وقادر مطلق انسانی نفس کی تمام باریکیاں جانتا ہے۔فرمایا:"ونفس وما سواها فألهمها فجورها وتقواها قد أفلح من زكاها وقد خاب من دساها" (شمس:۷-۱۰) (اورنفس انسانی کی اوراس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پرالہام کردی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نےنفس کا تزکیہ کیا،اورنامراد ہوا وہ جس

نے اس کو دبادیا)۔ اور اللہ تعالی تمام انسانوں کی بغیر رنگ، زبان اور نسل کے اختلاف کے، ضرورتیں پوری کرتا ہے، کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انسانیت کا بناؤ کس میں ہے اور بگاڑ کس میں، لہذا جن چیزوں میں بناؤ ہے ان کا حکم دیا، جن میں بگاڑ ہے ان سے روکا اور اسلامی قوانین کا وہ نظام دیا جو اس دین کو کامل ومکمل کرتا ہے۔ اس نے اس نظام کو ہر زمان ومکان کے قابل بنایا جو زندگی کے امور کی تنظیم کرتا ہے، صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے، فاسد اور کج امور کو درست کرتا ہے۔ گم کردہ راہ کو راہ دکھاتا ہے۔ فقیر کی مدد کرتا، یتیم کی کفالت کرتا اور معاشرہ کے تمام افراد کے اندر ہمدردی کی روح پیدا کرتا ہے، یہ اللہ کا بڑا احسان، اس کا فضل اور بندوں پر اس کی بڑی رحمت ہے، وہ رحمان ورحیم ہے۔ اس نے اپنے رسول کو تمام انسانوں کے لئے آخری پیغام دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ تمام دنیا والوں کے لئے رحمت بنیں، فرمایا: "وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین" (انبیاء:۱۰۷) (اور ہم نے آپ کو (اے پیغمبر) دنیا جہان پر اپنی رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے) اس رحمت نے زندگی کے تمام پہلوؤں کو گھیر لیا ہے، لہذا وہ تمام اسلامی قوانین کی ایک صفت لازمہ ہے، رحمت ربانی شریعت اسلامیہ میں ظاہر ہے، اس کا احساس صرف وہی مسلمان کرسکتا ہے جو دین دار ہو اور ظاہری وباطنی طور پر دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہو، یہ تعلیمات ہمیشہ اس کے نفس کو صاف، قلب کو پاکیزہ، روح کو شفاف اور کردار بلند بنائیں گی، ہمیشہ اسے خیر پر عمل پیرا ہونے، نیک اعمال کرنے اور اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز قربان کرنے پر آمادہ کریں گی جس کا یہ حال اور یہ صفت ہو وہ ہمیشہ اپنے رب کی چوکھٹ پر پڑا رہے گا، جو شخص دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہو رحمت اس کے دل سے کبھی جدا نہیں ہوگی، وہ اسے چاہے گا، اسے لٹائے گا اور سب کو اسی کی نصیحت کرے گا جیسا کہ اللہ نے فرمایا: "ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة" (بلد:۱۷) (پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور خلق خدا پر رحم کی تلقین کی)۔ کیونکہ

اپنے ایمان کی رو سے وہ جانتا ہے کہ اللہ کی مخلوق پر رحم کر کے وہ خود اپنے لئے خدا کی رحمت لا رہا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "إنما یرحم الله عباده الرحماء" (بخاری) (اللہ اپنے بندوں میں ان ہی پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: "ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء" (طبرانی) (تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا)۔ اپنے ایمان ویقین اور نبی کی تصدیق کے باعث وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ مخلوق خدا پر رحم نہیں کرے گا تو اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی بدبختی اس کے حصہ میں آئے گی، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: "لاتنزع الرحمة إلا من شقي" (رحمت کسی شقی کے دل سے ہی کھینچی جاتی ہے)۔

اس کے علاوہ سماج کے افراد کی باہمی ہمدردی کا عظیم حاصل اور بلند مقام مضبوطی اور وحدت ہے اور رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق ہے کہ محبت باہمی اور آپسی تراحم ومہربانی میں مسلمانوں کی مثال جسد واحد کی ہے، جس کا کوئی عضو بیمار ہو جائے تو رات جگے اور بخار کے باعث سارے جسم پر اس کا اثر پڑے گا، اسی طرح ایک محرک اور بھی ہے جو جذبہ رحمت کو ابھارتا ہے اور آدمی کو خرچ کرنے اور لٹانے پر آمادہ کرتا ہے، وہ ہے مومن کی یہ خواہش کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "والذی نفسي بیده لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه" (مسلم) (خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ان بلند اسلامی قوانین کے اغراض ومقاصد اور حکمتوں پر جس کی بھی نظر ہوگی اسے معلوم ہوگا کہ وہ بنی نوع انسان کے مابین تکافل، تعاون اور وحدت کے سلسلہ میں اتنی بلندی پر ہیں کہ جہاں تک کوئی بھی وضعی قانون نہیں پہنچتا، کیونکہ یہ ایسے بشری

قوانین ہیں جن کو خطاء، کمی یا نقص عارض ہوتا ہے، پھر اس قسم کی اسلامی تعلیمات دو بنیادوں پر مشتمل ہیں: دنیا کا اجر وثواب تمام تر اشکال وانواع کے ساتھ اور آخرت کا ثواب جسے اللہ نے بندوں کے لئے تیار کیا ہے اور جس کی حقیقت محض اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ انفاق کے سلسلہ کی ہی اسلامی تعلیمات میں سے ایک میدان اوقاف کا بھی ہے، جس کا دائرۂ کار انسان کی ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل ہے۔ اوقاف انسان کو ایک ترقی یافتہ اور مہذب انتظام کے ذریعہ جس سے انسان کی ضرورت بھی پوری ہو اور انسان کی کرامت کی بھی حفاظت ہو، محتاجی اور تنگ دستی سے بچاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ولقد کرمنا بنی آدم'' (بنی اسرائیل: ۷۰) (ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے)۔ یہ اسلامی قوانین انسان کو اس سے بچاتے ہیں کہ وہ اپنے کو ذلیل کرے یا اپنی توہین کرے، جو تنگی ومحتاجی میں دست سوال دراز کرنے اور مانگنے سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ شریعت نے اسے اپنی تعلیمات اور قوانین کے ذریعہ نفس کے مطالبات اور ضروری حاجات بھی فراہم کردیئے اور اس کو تذلیل سے بھی بچالیا۔ اس نے سماج کی تعمیر اور امن کی برقراری کے ساتھ ان ذرائع کو بھی بند کردیا جو انسان کی ضرورت ومحتاجی سے پیدا ہوتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتیں پوری کرنے میں وہ بہت سی غلطیاں کر گزرتا ہے۔

اس لئے ہم پاتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ کے میدان میں اسلامی ہدایات فقر ومحتاجی کو دور کرنے کے مادی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اخروی ومعنوی پہلوؤں پر بھی مشتمل ہیں، جس کا ادراک فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے کو ہوتا ہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے وہ بہترین منہج دیا ہے جس میں تزکیہ نفس اور سماج میں خیر کے کام علی الدوام کرتے رہنے کی ضمانت ہے، اس کے بہت سے راستے ہیں جن میں سب سے افضل وقف ہے، وقف وہ صدقہ جاریہ ہے جو سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ ثواب والا، عملی پہلو سے سب سے زیادہ مفید، سب سے زیادہ دائمی نفع کا حامل اور سب سے زیادہ پائیدار ہے، کیونکہ وہ سماج کی مضبوطی وتکافل کا تحفظ کرتا ہے، لوگوں

میں میل ملاپ اورمحبت پیدا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز کاموں پرابھارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقف کوشریعت اسلامیہ میں زبردست مقام دیا گیا، اسے سب سے مؤکدسنت بتایا گیا اور اسے صدقہ وانفاق فی سبیل اللہ کے افضل ابواب میں سے قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: "إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقه جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (مسلم) (جب کسی آدمی کی موت ہوجاتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین باتوں کے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے)۔ نبی ﷺ کی یہ مبارک سنت امت کو اللہ تعالی کے اس فرمان پرعمل کے لئے ابھارتی ہے: "آمنوا بالله ورسوله وأنفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه فالذين آمنوا منكم وأنفقوا لهم أجر كبير" (حدید:۷) (ایمان لاؤ اللہ اوراس کے رسول پراور جس مال میں اس نے تم کودوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو، سو جولوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر حاصل ہوگا)۔

خیر کا کام کرنے والوں سے اللہ سبحانہ وتعالی نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، ارشاد ہے:

"ليس عليک هداهم ولكن الله يهدی من يشاء وما تنفقوا من خير فلأنفسكم وما تنفقون إلا ابتغاء وجه الله وما تنفقوا من خير يوف إليكم وأنتم لا تظلمون" (بقرہ:۲۷۲) (ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لئے کرتے ہو اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو اور تم مال میں سے جو کچھ بھی کرچ کرتے ہو سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی) اور ارشاد ہے: " لن تنالوا البر حتى تنفقوا

مما تحبون وما تنفقوا من شئ فإن الله به علیم"(آل عمران: ۹۲) (جب تک تم اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کروگے نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکوگے اور جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے)۔

اسلام میں وقف کی تاریخ اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے اثرات کا مطالعہ کرنے والا پائے گا کہ وہ زندگی کے تمام تر شعبوں، علمی، سماجی اور اقتصادی وغیرہ میں اسلامی معاشرہ کے لئے بہت مفید حل پیش کرتا ہے، وقف کے ذریعہ سے ہی بہت سے گوشوں میں اسلامی تہذیب پھلی پھولی، چنانچہ اسلامی شہروں میں اسپتال بنائے گئے۔فقراء ومساکین اور بیماروں کے لئے علاج کا انتظام کیا گیا، اسی طرح فقراء اور محتاجوں کے لئے سرائے بنائے گئے، مساجد کی تعمیر ہوئی، قرآن کریم کے حفظ کے حلقے قائم ہوئے، وقف سے چلنے والے دارالمطالعے قائم ہوئے، یہ وقف کے وہ عظیم اثرات ہیں جو پوری مسلم دنیا پر پڑے۔

اسی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اسلامی اوقاف کے مثبت اور نتیجہ خیز اثرات کیا تھے اور انھوں نے مختلف اداروں میں اسلامی تہذیب کو مالا مال کرنے میں کیا بلند کردار ادا کیا، اسلامی معاشروں کو آگے بڑھانے اور ان میں مختلف اقتصادی، سماجی اور صحتی وترقیاتی ادارے قائم کرنے میں وہ کیا سرگرم کردار کرسکتے ہیں۔

علمی تحقیق، تعلیم وتربیت کتب خانوں اور علاج ومعالجہ اور طبی تحقیقات کے لئے اسپتال اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام میں آج بھی وقف کے کردار کو سرگرم بنایا جاسکتا ہے، نیز اس کے ذریعہ غربت کو دور کیا جاسکتا ہے، اس طرح کہ جو لوگ کام کرسکتے ہوں انہیں روزگار دیا جائے اور جو کام نہ کرسکتے ہوں ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں نیز اور بھی میدانوں میں اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح سماجی، انسانی اور ترقیاتی پہلوؤں سے ہم پاتے ہیں کہ ان میدانوں میں

وقف نے ماضی میں بھی زبردست کردار ادا کیا ہے اور یہ صدقات جاریہ کی سب سے عظیم اور درست ترین تعبیر ہے۔ان صدقات کا جذبہ انسانی نفس میں اندر سے پیدا ہوتا ہے جو دینے ،خرچ کرنے اور عمل خیر پر ابھارتا ہے، اللہ کی رضا جوئی کے علاوہ اور کوئی دباؤ، پابندی اور واجبات اس کے محرک نہیں بنتے ،اس طرح دنیا میں مسلم معاشرہ کے افراد کے مابین تعاون اور تکافل ہوتا ہے، چونکہ مقصد نیک اور نیت بلند ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں باہمی میل ملاپ ،محبت، تکافل اور وحدت باہمی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد:"**وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" (سورۂ مائدہ:۲) (ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوی میں کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) پر عمل ہوگا ،اس لئے صدقات جاریہ کا درجہ بھی بہت بلند ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا فرمان الٰہی اہل خیر، ثروت مند اور باغیرت افراد کو بڑی سخاوت کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں ترقی اور اجتماعی کفالت کے تمام میدانوں میں خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔ یہ میدان وہ ہیں جو مسلم معاشرہ کی تمام ضرورتوں کو محیط ہیں اور اہم ترین گوشوں میں بہت بڑا رول ادا کرتے ہیں، یعنی سماج کو آگے بڑھانے کے لئے وہ کام کرنا جن میں یتیموں کی کفالت، فقراء ومساکین کی مدد، بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی نگہداشت، دارالعلوموں اور حفظ قرآن وغیرہ کے مدارس اور سماجی خدمات کے دیگر تمام گوشے آجاتے ہیں۔

اسلامی وقف نے سماجی مسائل کے حل میں ایک بڑا انسانی کردار ادا کیا جو تمام انسانی، اجتماعی، ترقیاتی، صحی اور تعلیمی میدانوں میں ممتاز ہے، اسی طرح دعوت الی اللہ میں بھی اس کا کردار نمایاں ہے۔اسی سے وہ نمونہ سامنے آیا جو ہر حال میں اور ہر زمان ومکان میں قابل تقلید ہے۔ اوقاف اسلامیہ کے اس کردار کا احیاء اس مبارک سنت نبوی کی طرف رجوع سے ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ کی ترقی میں وقف کی ضرورت واہمیت کے سلسلہ میں شعور پیدا

کرنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح اس مبارک میدان میں جولوگ خرچ کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان کے حوصلوں کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، نیز موجودہ زمانے کے مطالبات کے موافق نظام وقف کے نئے خدوخال وضع کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

مبحث سوم

مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور بیواؤں کی خبرگیری میں اوقاف کی اھمیت

اسلام نے معاشرہ کے ان تمام طبقات کی طرف زبردست توجہ دی ہے جوخبر گیری اور توجہ کے مستحق ہیں، اس میدان میں اس کے قوانین نہایت اہم ہیں، چنانچہ اس نے ان لوگوں کو زمانہ کے مصائب اور ظروف واحوال کے تغیرات کے تھپیڑے کھانے کے لئے بے یار ومددگار نہیں چھوڑ دیا تاکہ یہ مشکلات وپریشانیاں اسے بڑے خطرات اور خطرناک نتائج تک نہ پہنچادیں اور وہ ان حالات سے نمٹنے کی کوشش میں شریعت مخالف اقدامات نہ کربیٹھیں۔ اس لئے اسلام شدت سے اس بات کا خواہاں ہے کہ ہر گروپ کے لئے جوتعاون وخبر گیری کا ضرورت مند ہو ایسے قوانین بنائے جو اس کو مادی ومعنوی طور پر مصائب سے محفوظ رکھیں، اس کی ضرورتیں پوری کریں، اس نے کبھی زکاۃ جیسے فرائض کے ذریعہ اور کبھی انفاق فی سبیل اللہ اور خیر کے مختلف کاموں مثلاً وقف اور صدقات نافلہ وغیرہ پر ابھار کر مسلم معاشرہ کو ان قوانین کی پابندی کی تعلیم دی ہے۔

ان اوقاف کو اگر اللہ کے حسب منشا استعمال کیا جائے، ان کی سرمایہ کاری بہتر طور پر کی جائے اور شرعی دائرہ میں نیز زمانے کے مطالبات اور زمانی ومکانی احوال کو سامنے رکھا جائے تو مسلم سماج میں کوئی بھی ایسا گروپ نہ رہ جائے گا جس کو مدد وتعاون کی ضرورت ہوگی، ہر ایک کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اسلامی قوانین کے دائرہ میں رہتے ہوئے ضرورت، محتاجی اور فقر کو

دور کرنے میں کسی کی عزت پامال نہ ہوگی اور مسلم معاشرے کے تمام افراد میں تکافل، تعاون اور مضبوط تعلق قائم ہوجائے گا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پورا ہوجائے گا: "مثل المؤمنين في توادهم وتعاطفهم وتراحمهم كمثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى" (اپنی مودت باہمی، تعاطف اور تراحم میں مومنین کی مثال جسد واحد کی ہے، جس کا ایک عضو بھی اگر بیمار ہوجائے تو اس کا اثر سارے جسم پر رات کو جاگنے اور بخار سے پڑے گا"۔ اس طرح کوئی بھی گروپ بغیر مدد وتعاون اور خبر گیری کے نہیں رہ جائے گا۔

سماج کے ان حصوں میں جن کو اوقاف کی توجہ تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل رہی ہے وہ بھی ہیں جن کا حکم ہم یہاں بیان کریں گے یعنی مطلقات اور وہ بیوائیں جو ان کے حکم میں ہوں۔

اول-اسلام میں بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی خبر گیری

اسلام نے مطلقات کے سلسلہ میں زبردست اہتمام کیا ہے، چاہے حفاظتی تدابیر کا معاملہ ہو یا علاج کا۔ حفاظتی تدابیر کے سلسلہ میں اسلام نے کوشش یہ کی ہے کہ سماج میں طلاق کے حالات کم سے کم ہوں، یہ صرف ضرورت اور ناگزیر حالات ہی میں ہو جبکہ اس کے بغیر کوئی حل ہی نہ ہو، اس سلسلہ میں اسلام نے دو متوازی حل پیش کیے ہیں جو یوں ہیں:

الف-اس کا انتظام کہ طلاق کے حالات کم سے کم ہوں

یہ اس طرح کہ شریعت میں طلاق کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے نزدیک اسے ابغض الحلال بتایا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے (اسے بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے)۔

اسلام نے ان حالات کو دور کرنے کی کوشش پر ابھارا جو طلاق کی طرف لے جاتے ہوں تا کہ طلاق کے وقوع سے قبل ان کو حل کرنے کی کوشش ہو اور طلاق کے وقوع کو روکا جا سکے۔ اسلام نے یہ ضمانت دی ہے کہ اگر فریقین کی نیت صحیح ہو اور اصلاح حال کا ارادہ ہو اور اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو تو دونوں کے مابین صلح ہو سکتی ہے۔

"وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها إن يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما إن الله كان عليما خبيرا" (سورۂ نساء:۳۵)۔

(اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو تو تم ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو، اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی، تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ تعالی بڑا ہی علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے)

اور فرمایا:

"يأيها النبى قل لأزواجك إن كنتن تردن الحيٰوة الدنيا وزينتها فتعالين أمتعكن و أسرحكن سراحا جميلا" (سورۂ احزاب:۲۸)۔

(اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آ ؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں)۔

اور فرمایا:

"يأيها الذين آمنوا إذا نكحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحا جميلا" (سورۂ احزاب:۴۹)۔

(اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو، لہذا انہیں مال دو اور بھلے طریقہ سے رخصت کر دو)۔

اور فرمایا:

"فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن" (سورۂ طلاق:٦)۔

(پھر اگر وہ تمہارے لئے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو)۔

"أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن وإن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن حتى يضعن حملهن" (سورۂ طلاق:٦)۔

(ان کو (زمانہ عدت میں) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو، اور انہیں تنگ کرنے کے لئے ان کو نہ ستاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے)۔

نکاح کی ترغیب

ب- اسلام نے نوجوانوں کو شادی پر ابھارا ہے، خواہ کنواری عورت سے یا شوہر دیدہ سے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

"وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليم" (سورۂ نور:٣٢)۔

(اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے یعنی نکاح کے لائق ہوں ان کا بھی۔ اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا جاننے والا ہے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء" (صحیح بخاری)۔

(اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نفقہ پر قادر ہو وہ شادی کر لے اور جس کو

اس کی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ سے شہوانی قوت ٹوٹتی ہے)، اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

"تنکح المرأة لأربع لمالها و لحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداک" (صحیح بخاری)۔

(عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال کی وجہ سے، اس کے دین کی وجہ سے، تم دین دار کو ترجیح دو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں)۔

اگر ایک مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات پر عمل کرے گا تو معاشرہ میں مطلقات کا تناسب بہت کم ہو جائے گا اور اس طرح اس مسئلہ پر بہت آسانی سے قابو پایا جا سکے گا۔

حجۃ الوداع میں آپ نے عورتوں کے حق میں عمومی اور بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے حق میں خاص طور پر نصیحت کی، فرمایا:

"فإنكم أخذتموهن بأمانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (مسلم)۔

(عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے بدلے لیا ہے، اللہ کے کلمہ کے ذریعہ تم نے ان کی شرمگاہیں حلال کی ہیں، تمہارے اوپر ان کی روزی اور معروف کے مطابق ان کو پہنانا ہے)۔

جہاں تک بیواؤں کی بات ہے تو وہ عورتوں کے عموم میں تو داخل ہی ہیں لیکن اسلام نے جہاں مساکین اور محتاجوں کی مدد اور ان کی خبر گیری پر ابھارا ہے وہیں بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی ترغیب دی ہے: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الساعی علی الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: وكالقائم الذي لا يفتر وكالصائم الذي لا يفطر" (النووی)۔

(مسکین اور بیوا کی دیکھ بھال کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔ میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: وہ رات میں اس عبادت کرنے والے شخص کی طرح ہے جو تھکتا نہیں اور اس روزہ دار کی مانند ہے جو افطار نہیں کرتا)۔

ہر زمانہ میں اسلامی اوقاف نے مطلقہ عورتوں اور بیواؤں وغیرہ کی مشکلات ومسائل کو حل کیا ہے اور فقر وتنگدستی کے وقت ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی ہے جب ان کے لئے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں، ان کے لئے اوقاف خاص کئے جاتے تھے جن کی آمدنی ان پر خرچ کی جاتی تھی، اسی طرح ان کو مکان دیئے جاتے ،نفقہ اور لباس کا انتظام کیا جاتا، ان کو ہر وہ چیز دی جاتی جس سے ان کی ضرورت پوری ہوتی ہو، ان کی صحیح اسلامی طریقہ پر خبر گیری ہوتی اور ان کی اس کے لئے مدد کی جاتی کہ وہ کتاب اللہ کا حفظ کریں، شرعی علوم سیکھیں اور وہ کام بھی انھیں سکھائے جاتے تھے جو ایک مسلمان عورت کے لئے مناسب ہیں بلکہ وقف کے ادارے اس سے بھی آگے بڑھ کر شریعت کے مطابق ان کی شادی بھی کرتے تھے، تاکہ عورت کی حیاء اور عزت کا تحفظ ہو سکے۔

دوم-اسلام میں مریضوں کی دیکھ بھال

سماج میں جو طبقہ خبر گیری، توجہ اور مدد کا سب سے زیادہ مستحق ہے وہ بیماروں کا ہے، یہ وہ گروپ ہے جس کو مختلف حکمتوں اور اسباب کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ابتلاء میں ڈال دیا ہے اور اسی وجہ سے سماج کے دوسرے لوگوں پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی کا سلوک کریں اور اگر بیماری کے ساتھ فقر وفاقہ، تنگ دستی اور احتیاج ہو اور علاج کرانے کی سکت بھی نہ ہو تو اس سے انسان اور زیادہ متاثر ہوتا ہے، اسی مشقت کے لحاظ سے مریض پر خرچ کرنے والے کا ثواب بھی بڑھ جاتا ہے۔

اسلام نے بحیثیت دین رحمت کے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اپنے قوانین

کے ذریعہ انسانیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیا ہے اور اپنی عمومی ہدایات کے ذریعہ تکافل، اتحاد اور تعاون کے میدان میں ایک منفرد نظام دیا ہے، ان ہی عمومی ہدایات کے تحت مریضوں کی نگرانی، دیکھ بھال اور ان کی مدد بھی آجاتی ہے، تا آنکہ اللہ اپنے فضل وکرم سے انہیں شفاء عطا کرے، کیونکہ اس کی رحمت تو سبھی انسانوں کے لئے عام ہے۔

جہاں تک خصوصیت کے ساتھ مریضوں پر توجہ دینے کا تعلق ہے تو اسلام نے ان سے اعتناء کرنے، ان کی خبر گیری اور ان کے علاج وعیادت پر ابھارا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ ان کے حوصلوں کو بلند کیا جائے اور مادی ومعنوی طور پر ان کی مدد کی جائے، تا آنکہ اللہ کے فضل سے وہ شفایاب ہوجائیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ باعتبار ضعف، مرض اور اپنی حالت کے اسلام نے ہمارے حال پر بہت توجہ دی ہے اور یہ بات سامنے رکھی ہے کہ سماج میں بیمار سب سے زیادہ مدد اور تعاون کے مستحق ہوتے ہیں، خاص کر جب کہ وہ فقیر ومحتاج بھی ہوں۔ اسلام کی یہ توجہ بیمار کے علاج ومعالجہ سے شروع ہوکر شفاء کے بعد بھی اس کی خبر گیری اور اس وقت تک اس کی کفالت تک رہتی ہے جب تک وہ پوری طرح شفایاب ہوکر کام کاج کے لائق نہ ہوجائے۔ اسی طرح اسلام نے اس پر بھی ابھارا ہے کہ بیمار کی عیادت کی جائے، کیونکہ عیادت سے اس کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور علاج پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس پر ابھارا ہے، چنانچہ فرمایا:

"حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة وتشميت العاطس"۔

(مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت، جنازہ کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا)، نیز آپ نے فرمایا:

"عودوا المريض وأطعموا الجائع وفكوا العاني" (بخاری)۔

(مریض کی عیادت کرو، بھوکے کو کھلاؤ اور مصیبت زدہ کی مدد کرو)، اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من عاد مريضا وزار اخا له في الله ناداه مناد بأن طبت وطاب ممشاک وتبوأت من الجنة منزلاً" (سنن ابن ماجہ)۔

(جس نے کسی بیمار کی عیادت کی یا للہ فی اللہ اپنے کسی بھائی سے ملاقات کی تو اسے ایک ندا دینے والا پکارتا ہے کہ تم خوش رہو، تمہارا چلنا مبارک ہو اور تم جنت میں ایک گھر پاؤ)۔

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله عزوجل يقول يوم القيامة: يا ابن آدم مرضت فلم تعدني قال: يارب كيف أعودک وأنت رب العالمين، قال: أما علمت أن عبدى فلاناً مرض فلم تعده أما علمت أنک لوعدته لوجدتنى عنده......" (رواہ مسلم)۔

(اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا: آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا، میرے رب تو تو رب العالمین ہے، میں تیری عیادت کیسے کرتا، کہے گا: تجھے معلوم نہیں ہوا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی زیارت نہیں کی، تو نہیں جانتا کہ اگر اس کی عیادت کرتا تو مجھے بھی اس کے پاس پاتا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ہدایات بیماروں کی خبرگیری، توجہ، علاج اور ان کی عیادت کے سلسلہ میں بہت ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ نصوص بھی ہیں جو باہمی ہمدردی اور تعاون پر ابھارتی ہیں اور ایسے نصوص بھی ہیں جو خاص طور پر بیماروں سے متعلق ہیں۔

اسلام کے ہر عہد میں اوقاف نے ایک عظیم کردار ادا کیا ہے، آج بھی جبکہ نت نئے امراض ظاہر ہورہے ہیں جن کو اب سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا، اوقاف کے اس کردار کو زندہ کیا جاسکتا اور ان کے نقوش کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

آج اگر چہ تشخیص وعلاج کے طریقوں میں تبدیلی آگئی ہے اور علاج کے طریقوں میں ترقی ہوئی ہے، لیکن علاج معالجہ پر اتنا زیادہ صرفہ آتا ہے کہ فقراء ومساکین اور محتاج لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے، لہذا آج شدید ضرورت ہے کہ مریضوں اور اسپتالوں کے لئے اوقاف قائم کرنے کا اہتمام کیا جائے اور بطور خاص غریب اور محتاج بیماروں کی مدد وتعاون کے لئے وقف کے فنڈ قائم کئے جائیں۔

مبحث چہارم
تعلیم اور دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں اوقاف کی اہمیت

علم وتعلیم اور دعوت الی اللہ دو عظیم کام اور ایسے میدان ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کا مقام بلند کیا ہے، ان کی عزت بڑھائی ہے اور ان کے ذمہ داران وکارکنان کی عزت افزائی کی ہے، دنیا میں ان کی جو توقیر ہوتی ہے اور جو اعتراف فضل ہوتا ہے وہ تو الگ آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ بھی ان سے فرمایا ہے۔ ان دونوں کاموں سے اسلام نے اتنا زبردست اعتناء کیا ہے کہ جس کی کوئی نظیر سابق یا بعد کے کسی نظام وقانون میں نہیں ملتی، ان کے شرف کے لئے یہ کافی ہے کہ کتاب اللہ کی سب سے پہلی آیت وہ ہے جو قراءت (پڑھنا) کی دعوت دیتی ہے اور قراءت ہی علم وتعلم کا دروازہ ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:

"اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الإنسان من علق، اقرأ وربک الأکرم، الذی علم بالقلم، علم الإنسان ما لم یعلم" (سورۂ علق: ۱-۵)۔

(پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے

علم سکھایا، انسان کووہ علم دیا جووہ نہ جانتا تھا)۔

ان آیات کریمہ میں غوروفکر کرنے والا پائے گا کہ مضمون کی ابتداء قرأت سے ہوئی پھر قلم کا بیان ہوااور قلم ہی کتابت کا وسیلہ اور علم وتعلیم کا رمز ہے، اس کے بعد بتایا گیا کہ خدا نے انسان کووہ کچھ سکھایا جووہ نہ جانتا تھا۔

اس سے دین اسلام کا راست طریق کار معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے درجہ میں توحید خالص کا دین تو ہے ہی، اس کے بعد وہ علم ومعرفت کا دین ہے، جس میں لوگوں کو امور دین سکھائے جاتے ہیں، انھیں حق کی اور صراط مستقیم کی دعوت دی جاتی ہے، اسی سے مولی تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی ہوتی ہے جس کا ارشاد ہے:

”ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون“(سورۂ آل عمران: ۱۰۴)۔

(اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے، جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب یہی تو ہیں)۔

اسی طرح فرمایا:

”وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طآئفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون“(سورۂ توبہ: ۱۲۲)۔

(اور مؤمنوں کو نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں ایک حصہ نکل کھڑا ہوتا کہ باقی لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تا کہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرائیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں)، نیز فرمایا:

”قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله

وما أنا من المشركين" (سورۂ یوسف:۱۰۸)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے پیرو بھی اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔

قرآن میں بہت سی نصوص وارد ہیں جو علماء کی شان بلند کرتی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات والله بما تعملون خبير" (سورۂ مجادلہ:۱۱)۔

(تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے)۔

اللہ نے بتایا کہ علماء وہ لوگ ہیں جو اپنی معرفت الٰہی، حلال وحرام کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کی پابندی کے باعث لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ فرمایا:

"إنما يخشى الله من عباده العلماء إن الله عزيز غفور" (سورۂ فاطر:۲۸)۔

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ زبردست اور درگذر فرمانے والا ہے)۔

وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں جس نے ارشاد فرمایا:

"لا يكلف الله نفسا إلا وسعها لها ماكسبت وعليها ما اكتسبت ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا ربنا ولا تحمل علينا إصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين" (سورۂ بقرہ:۲۸۶)۔

(اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کے بساط کے مطابق، اسے ملے گا وہی جو کچھ اس

نے کمایا اور اس پر پڑے گا وہی، جو کچھ اس نے کمایا، اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے، اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت ہم سے نہ ہو، اور ہم سے درگذر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے، سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر)۔

اسلام میں علم وعلماء اور تعلیم کی اس زبردست اہمیت کے پیش نظر اور علی وجہ البصیرۃ دعوت الی اللہ، اللہ کے دین کی حفاظت اور اسلامی معاشرہ میں ان کی شدید ضرورت کے باعث، معاشرہ کی رفعت شان، ترقی اور اللہ کے دین کی نشر واشاعت اور امور دین اور عقیدہ کی حفاظت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے، اسلامی اوقاف نے تاریخ کے تمام ادوار میں علم اور دعوت الی اللہ کے میدانوں میں ایک بڑا کردار ادا کیا اور ہمیشہ ان امور کو اوقاف کی بڑی توجہ وعنایت حاصل رہی، ان پر زیادہ سے زیادہ خرچ کیا گیا، ان کے تحفظ کی کوشش ہوئی اور ان کے ذمہ داران وکارکنان کو عزت وتوقیر ملی، اس سے وہ علم اور دعوت کے میدان میں اپنا مطلوبہ کردار ادا کرنے کے قابل ہوسکے۔

علم وتعلیم اور خاص کر شرعی علوم کی اشاعت کے سلسلہ میں اسلامی اوقاف نے وہ زبردست اور نمایاں کردار ادا کیا کہ اس کی تفصیل اس مختصر مقالہ میں بیان کرنا مشکل ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم وتعلیم کے ان اوقاف میں مشترک قدر یہ تھی کہ وہ ان کاموں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں جبکہ موجودہ دور کی طرح سرکاری ادارے اور ایجنسیاں اور وزارتیں نہیں ہوتی تھیں جو تعلیم وغیرہ پر خرچ کریں، اس صورت میں تمام تر انحصار صرف اوقاف کی مالیات اور ان کی آمدنی پر تھا جن کا فیض تعلیم علوم اور حفظ قرآن کے تمام حلقوں کو پہنچتا تھا بلکہ علم وتعلیم کا کوئی بھی گوشہ ان کے فیض سے محروم نہ تھا جیسا کہ تاریخی مراجع بتاتے ہیں، ان

کے مطابق وہ چاہے مساجد میں لگنے والے علم کے حلقے ہوں یا الگ سے مدارس کا قیام ہو، سب کے لئے مالی بنیاد وقف ہی تھا۔ متعدد تاریخی مصادر بتاتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تمام تعلیمی ادارے وقف کے نظام کے ماتحت تھے۔

لہٰذا اگر اوقاف کا نظام نہ ہوتا بطور خاص عہد مملوکی میں تو یہ مدارس اپنی بنیاد کھودیتے۔ تعلیم اور مدارس کے سلسلہ میں اوقاف جو اخراجات کیا کرتے تھے ان میں مدارس کی تعمیر، مدرسین کی تنخواہیں طلبہ کی ضرورتیں مثلاً کتابیں، روشنائی، کاغذ، کھانا اور لباس وغیرہ سب شامل تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ ابوصالح احمد بن عبدالمالک المؤذن النیساپوری کتب حدیث کے ذخیرہ کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ان کی حفاظت کے لئے اوقاف سے انہیں سرمایہ ملتا تھا۔ کچھ اوقاف محدثین کی ضروریات روشنائی وغیرہ فراہم کرتے تھے۔

القدس میں المدرسۃ العمریہ کا وقف تھا جس میں طلبہ کو روزانہ تقریباً ایک ہزار روٹی دی جاتی تھی، اس کے علاوہ دیگر اوقاف سے کپڑے، برتن، وضو کے لوٹے اور روشنی کے لئے تیل فراہم کیے جاتے تھے۔ اس طرح علم کے حلقے، مدارس اور تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق تمام امور ان ہی اوقاف سے انجام پاتے تھے، پورے عالم اسلامی میں بڑی مساجد بھی حفظ قرآن، علم کے حلقوں اور علوم شرعیہ کی اشاعت کی مرکز تھیں، مثلاً مکہ مکرمہ میں مسجد حرام، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی، مسجد بصرہ، مسجد کوفہ، مسجد قرطبہ، الجامع الاموی، قاہرہ میں مسجد عمرو بن العاص، حتی کہ بعض مساجد میں علوم کے حلقے وسعت اختیار کرکے پوری پوری یونیورسٹیاں بن گئیں، مثلاً جامع قرطبہ، الجامع الازہر، جامع القرویین، جامع الزیتونہ وغیرہ، ان تمام سرگرمیوں کو سرمایہ مذکورہ چیریٹیبل اوقاف ہی فراہم کرتے تھے۔

اس مختصر مقالہ میں ذکر کردہ تفصیلات سے ہمیں یہ تحریک ملتی ہے کہ اوقاف کو ہم اس کا سابقہ کردار لوٹائیں خاص کر اس لئے بھی آج مسلم معاشروں میں آبادی بڑھ چکی ہے، تعلیم کے

اخراجات بڑے مہنگے ہوگئے ہیں اور کئی مسلم ممالک تنہا اپنے فرزندوں کی تعلیم وتربیت کے اخراجات اٹھانے کے متحمل نہیں ہیں۔لہذا ایسے ملکوں کو شدید ضرورت ہے کہ اس میدان میں کوئی ان کی مدد وتعاون کرے، یہ تعاون اوقاف کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ان اوقاف کے ساتھ جو تعلیمی میدان کے لئے مختص ہوں ہر ملک کے ساتھ اصحاب ثروت کے عطیے اور چندے بھی تعلیمی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کریں ،اس سے علمی سرگرمیاں اپنے سابقہ کردار کی طرف لوٹ آئیں گی، اوقاف کے سرمایے اور آمدنیاں ان کو بنیادی طور پر مالیات فراہم کریں گی۔

دعوت وتحفظ دین

دعوت وتبلیغ اور تحفظ دین کے میدان میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تمام اسلامی ادوار میں اسلامی اوقاف بڑا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔اس سلسلہ میں دو عامل بنیادی کردار ادا کرتے تھے جو اہل خیر کو مذکورہ میدانوں میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر ابھارتے تھے۔

پہلا عامل

پہلا عامل یہ تھا کہ وقف انفاق کے ان راستوں میں سے ہے جس پر بہت ابھارا گیا ہے۔اس میں خرچ کرنا تزکیہ نفس بھی ہے اور خیر ومعروف کو برقرار رکھنا بھی۔ یہ ان طریقوں میں سے ہے جو خالصتاً اللہ کے لئے نیکی اور انفاق کے ہیں جو زیادہ نفع بخش،زیادہ اجر والے،زیادہ مفید اور زیادہ پائیدار اثرات والے ہیں۔ کیونکہ انفاق کا یہ طریقہ سماج کی مضبوطی، یک جہتی اور تکافل کی حفاظت میں حصہ لیتا ہے۔انسانی قلوب سے کینے دور کرتا ہے اور معاشرہ کے تمام افراد میں محبت واتحاد پیدا کرتا ہے۔ دنیا وآخرت میں اس کے فضل کے تذکروں سے کتاب وسنت کی نصوص بھری پڑی ہیں۔

دوسرا عامل

دوسرا عامل دعوت الی اللہ کی فضیلت، اس میں مشغول ہونے کی فضیلت اور اس کے کارکنان وذمہ داران کا مقام ومرتبہ ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، اسی طرح لوگوں کے امور دین کو سیکھنے اور عبادت وغیرہ دوسرے اعمال کو صحیح طریقہ پر ادا کرنے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فضیلت اور معاشرہ کی صلاح وفلاح میں اس پہلو کی اہمیت ہے۔ نیز یہ کہ ان امور میں مشغول ہونے والوں اور کارکنوں سے آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ ہے، کیونکہ یہ کام وہ خالصتاً لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ انفاق، دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کے جو کام ہیں وہ سب اللہ کی خوشنودی ورضا کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں اور جو لوگ بھی ان کاموں میں سرمایہ لگاتے ہیں انہیں اجر وثواب کی بشارت ہے۔

اس طرح دو عامل تھے جو لوگوں کو خیر کے کاموں میں خرچ اور انفاق پر آمادہ کرتے تھے۔ خاص طور پر ان میں خرچ کرنے پر آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا اس کے باعث اہل خیر اور غیرت مند اہل ثروت کو اللہ کے راستہ میں، دین کی دعوت وتبلیغ میں اور تحفظ دین کے میدانوں میں خوب خوب خرچ کرنے کی تحریک ملتی تھی۔ اسی طرح اپنے ہم مذہب یا ہم جنس محتاج وغریب انسانوں کی شدید ضروریات زندگی کا پورا کرنا بھی خیر وثواب کے کاموں میں آتا ہے، ساتھ ہی دین کی دعوت جو تمام حاجتوں اور ضرورتوں سے بڑھ کر حقیقی اور ضروری ہے، جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے صراحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''لوگوں کو شریعت کی ضرورت ان کی دوسری تمام حاجتوں سے بڑھ کر ہے حتی کہ شریعت کی انہیں اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے جتنی سانس لینے کی ہوتی ہے، کھانے اور پینے کا تو ذکر ہی کیا ہے، کیونکہ سانس نہ لینے اور کھانا پانی نہ ملنے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ موت آجائے گی جبکہ شریعت نہ ہونے سے روح اور دل تمام فاسد ہو جائیں گے۔ ابدی ہلاکت ہوگی،

ان دونوں کے مابین زمین وآسمان کا فرق ہے، موت سے صرف بدن ہلاک ہوتا ہے، لہذا لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی معرفت، اس کی دعوت، اس پر صبر، اس کے لئے شریعت سے بغاوت کرنے والوں سے جہاد جب تک کہ وہ اس میں واپس نہ آجائیں کی ضرورت سب سے زیادہ شدید ہے اور دنیا میں بناؤ اور صلاح اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا''۔

معاشرہ کی اصلاح اور صراط مستقیم پر استقامت، اللہ کے دین کی حفاظت، دین کے بارے میں شکوک وشبہات کو دور کرنا، لوگوں کو امور دین سکھانا وغیرہ جیسے عظیم مقاصد ہیں جنھوں نے آخرت کے ثواب اور اللہ کے ساتھ نفع بخش تجارت کے ساتھ مل کر ایک زبردست محرک کی شکل اختیار کر لی اور اسی محرک نے مسلم معاشروں میں لوگوں کو اپنے مال وسرمایے اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی حفاظت میں لگا دینے پر ابھارا، چنانچہ وقف کے مالوں اور جائیدادوں کی کثرت ہوگئی، وقف کی صورتیں بھی بڑھتی گئیں، حتی کہ وقف نے علم ودعوت الی اللہ کے مختلف میدانوں کے مطالبات پورے کئے بلکہ بعض اوقاف کی آمدنیاں ان کے اخراجات سے بھی بڑھ گئیں، ان سب کی تفصیلات کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

عصر حاضر میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نیکی وخیر اور دعوت دین کے کاموں کو برابر اہل خیر اور ثروت منداپنے سرمایوں اور مالیات سے فیض پہنچاتے رہے ہیں جو رضائے الٰہی کے لئے ان میدانوں میں مسابقت کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کہ آج کے لوگ بھی رسول اکرم ﷺ، صحابہؓ اور سلف امت کی اقتدا کر رہے ہیں، کیونکہ امت محمدیہ میں خیر قیامت تک باقی ہے۔ ہم پاتے ہیں کہ ان میں بہت سے لوگ مسجدوں کی تعمیر، داعیوں کی کفالت، دعوتی کتابوں کی طباعت اور دعوت کے دیگر مطالبات وضروریات پر خرچ کرنے کے لئے مسابقت کر رہے ہیں۔

اس وجہ سے ہمیں بھی ان کی پیروی اور ان کی اقتداء کی ضرورت ہے، کتاب وسنت اور عمل صحابہؓ کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ ہم خیر کے اس کام کو ترقی دیں اور نئے نئے گوشے وا کریں

جو موجودہ زمانے کے مطالبات کے مطابق ہوں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وقف کے مخصوص فنڈ قائم کیے جائیں جو خیر کے کاموں کے لئے ہوں تاکہ یہ دعوت الی اللہ اور تحفظ دین کے میدانوں کے لئے مالی ذرائع اور مادی مدد و خیر کا نہ سوکھنے والا سرچشمہ اور غیر منقطع ذریعہ بن جائیں۔ ہمیں یہ بھی کرنا چاہیے کہ ان فنڈز میں سماج کے تمام لوگوں کے لئے حصہ لینے کا دروازہ کھولیں، کیونکہ اس سے فرد و معاشرہ پر اس کے اچھے اثرات پڑیں گے اور دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہوگی۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ارد گرد میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے عیسائی چرچوں اور ان کی مشنریز کے لئے کتنا مال وقف کر رکھا ہے حتی کہ ایک ایک مشنری چرچ کی آمدنی اور بجٹ اتنا ہوتا ہے کہ پوری پوری حکومتوں کا بھی اتنا بڑا بجٹ نہیں ہوتا۔

خاتمہ بحث:

اب میں اس مقالہ کے آخر میں بعض سفارشات پیش کرتا ہوں، تاکہ جب اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا معاشرہ کی دعوتی، تعلیمی اور صحتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے اوقاف قائم کرے تو ان سفارشات سے بھی فائدہ اٹھائے، یہ سفارشات سرخیاں ہیں اور فقہ اکیڈمی ان کو وسعت دے کر عملی زمین پر ان کو فعال بناسکتی ہے تاکہ بننے والے اوقاف سلامت بھی رہیں، صحیح سمت میں کام کریں اور ان سے جو آمدنیاں حاصل ہوں وہ خیر و فلاح کے منابع بنیں جن سے معاشرہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مستفید ہو۔

۱- سب سے پہلے تو یہ کہ اوقاف کو صحیح شرعی اصول پر قائم کیا جائے جو اس میدان میں کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے مستفاد ہوں۔

۲- ایسا شرعی بامقصد ابلاغی پروجیکٹ بنایا جائے جس کے وسیلہ سے لوگوں کو وقف اور اس کی شرعی اصل سے واقف کرایا جائے اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے تصور کو راسخ کیا جاسکے۔

۳- وقف کے انتظامی امور کے لئے وہ انتظامی ڈھانچہ اختیار کیا جائے جو ہندوستان میں

مسلمانوں کے احوال وظروف کے مطابق ہو اور جس میں ان کے قانونی اقتصادی، سماجی اور سیاسی حالات کی رعایت رکھی گئی ہو۔

۴- انتظامی ڈھانچہ کی بنیادوں کو ترقی دی جائے اور معلومات کو قابل اعتماد شکل میں مرتب کیا جائے اور اس کے لئے مینجمنٹ کے جدید ترین نظریات اور سائنٹفک تکنیک کو اختیار کیا جائے تاکہ اوقاف کی تنظیمی تاسیس اس کے کاموں کے مطابق ہو اور وہ فعال شکل میں اپنا مشن انجام دیں اور جو واقفین کی شرائط کے بھی مطابق ہو، اس کے لئے کمپیوٹر اور پروگرامنگ کی جدید ترین ٹکنالوجی سے استفادہ ناگزیر ہے جن سے اوقاف کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا۔

۵- اوقاف کے تمام کاموں کی بہتر پلاننگ ہو، اس کے لئے مختصر مدتی اور طویل مدتی منصوبے بنائے جائیں جو کہ آخر کار اوقاف کے تمام مطلوبہ کاموں اور سرگرمیوں کی تکمیل پر منتج ہوں گے۔

۶- معاشرہ کے مطالبات اور ضروریات کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تاکہ ان میدانوں کی تحدید کی جا سکے جن میں اوقاف کام کریں گے کہ وہ ضروریات سماجی ہیں، صحت سے متعلق ہیں یا تعلیمی یا دعوتی وغیرہ۔

۷- وقف اور سرمایہ کاری کی نئی صورتیں پیدا کی جائیں جو ان مطالبات کو پورا کر سکیں جن کا ذکر اوپر آیا اور ساتھ ہی اس مالی معیار کے مطابق بھی ہوں کہ سماج کے افراد اس میں شامل ہو سکیں، یعنی وہ صورتیں وقف کے کاموں میں اکثر لوگوں کو حصہ داری کی اجازت دیتی ہوں۔

۸- معاشرہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں یا ان میں سے کسی ایک میدان میں وقف کے فنڈ بنائے جائیں۔ اس کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ معاشرہ کو کس میدان اور کس چیز میں تعاون کی زیادہ ضرورت ہے۔

۹- وقف کے کاموں کا باریک بینی سے جائزہ اور وقفہ وقفہ سے احتساب کیا جائے تاکہ

خرابیوں کو جان کر ان کی تلافی کی جائے اور خوبیوں کو پرکھ کر مزید آگے بڑھا جائے۔اس کے لئے ایک باصلاحیت اور ماہر مینجمنٹ کی ضرورت ہوگی۔

۱۰- سماج کے ثروت منداور تاجر طبقہ سے سماج کے تعلقات کو مضبوط بنایا جائے ،اس کے لئے مختلف وسائل اور چینل استعمال کیے جا سکتے ہیں، تا کہ ان کے ذریعہ ان اوقاف کو مادی ومعنوی طور پر تعاون ملتا رہے۔

۱۱- وقف کرنے والوں کی شرطوں کو پوری باریکی کے ساتھ نوٹ کیا جائے تا کہ اوقاف کی حاصل شدہ آمدنیوں کو وقف شدہ میدان میں ہی خرچ کیا جائے اور اس طرح شرعی مصارف میں ان کا صرف عمل میں آئے۔

۱۲- اوقاف کے انتظام اور سرمایہ کاری کے لئے انتظامی اور سرمایہ کاری کی صلاحیتوں کو بڑھایا جائے اور ان کو کام میں لایا جائے جو ممتاز بھی ہوں اور اجر وثواب کی نیت سے کام بھی کریں۔



چوتھا باب

وقف کا فقہی پہلو

تفصیلی مقالات:

سماج کے سنگین مسائل کے حل کے لئے اوقاف کا قیام

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی ☆

۱- اس مسئلہ کے تبرع اور قربت فی ذاتہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جو وقف کی اصل روح ہے۔ علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: "ان الوقف تبرع"، صاحب تنویر الابصار رقم طراز ہیں: "وأن یکون قربة فی ذاته"، شیخ الاسلام ابن تیمیہ تحریر کرتے ہیں: "**فأجاب: الحمد لله الأصل في هذا أن كل ما شرط من العمل من الوقوف التي توقف على الأعمال فلا بدأن تكون قربة**" جن اوقاف میں یہ لابدی عنصر موجود نہ ہوگا وہ وقف ہی باطل ہوگا۔

بنابریں مذکورہ عبارتوں سے بطریق تحقیق مناط مطلقہ اور بیوہ خواتین کے لئے اوقاف کی گنجائش نکلنی چاہئے، نیز ایک صریح فقہی جزیہ بھی موجود ہے: "**وقال: من طلقت فلها أيضاً قسط من الوقف**" (البحر الرائق ۵/ ۱۹۹) مطلقہ اور بیوہ کو بھی وقف سے دیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ سوال میں تحریر کردہ مشکلات و پریشانیوں کا حل یہی ہونا چاہئے کہ ایسی بے سہارا و مجبور خواتین کے لئے نظام اوقاف قائم کیا جائے۔

اسلام کی تابناک اور روشن تاریخ میں اوقاف کی آمدنیاں دفاعی امور، افلاس زدہ لوگوں کی امداد، علوم وثقافت کو فروغ دینے اور رفاہی مصارف میں خرچ کی جاتی تھیں۔

☆ شیخ الحدیث، دار العلوم مئو۔

علامہ ابن قدامہ کی تحریر سے بھی جواز کی گنجائش نکلتی ہے:"وسائر الوقف يصرف إلى كل مافيه أجر ومثوبة وخير"(المغنی مع شرحہ ۶/ ۲۱۳)۔

۲- فقہاء کی آراء ونصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف درست ہیں:"قال شمس الائمة: فعلى هذا إذا وقف على طلبة علم بلدة كذا يجوز؛ لأن الفقر غالب فيهم"(البحر الرائق ۵/ ۱۹۹، الفتاوی البزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/ ۲۵۸)، نیز اس کے وجوہ خیر میں سے ہونے کے باعث بھی اس میں وقف درست ہے:"الثاني موقوفة صدقة على وجوه البرو الخير أو اليتامى جاز مؤبداً كالفقراء"(بحر ۵/ ۲۰۰)۔

جس طرح قرآن عزیز کے مساجد ومدارس پر وقف کرنے کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے، اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے دینی کتابیں بھی وقف کی ہیں، کیونکہ دونوں ہی کے مقاصد میں احیاء دین تعلیماً وتعلماً ہے:"وعن نصير بن يحيى أنه وقف كتبه إلحاقالها بالمصاحف، وهذا صحيح، لأن كل واحد يمسك للدين تعليماً وتعلماً وقراء ة، وجوز الفقيه أبوالليث وقف الكتب، وعليه الفتوى كذا فى النهاية"(البحر الرائق ۵/ ۲۰۲)۔

شیخ عبدالمحسن محمد عثمان تحریر فرماتے ہیں:"اما عن اهمية التعليم...... كل هذه الامور جاء ت التوجيهات الإسلامية فيها واضحة ومحدوده...... واعتبرها الإسلام من الضرورات وليست من الكماليات"(مجلہ فقہ اسلامی بابت وقف/ ۵۰)، آگے پھر لکھتے ہیں:"وإذا كانت الأوقاف القريبة كذلك غير محتاجة ففي مصالح المسلمين الاجتماعيه وأمورهم الدعوية والتعليميه أوفي أي مصرف البر الذي يكون أنفع للمسلمين"(مجلہ مذکورہ/ ۱۹۴) اسلام نے تعلیم کی اہمیت اور اس کی عظمت کی طرف واضح طور پر رہنمائی کی ہے اور اسے ضروریات میں سے شمار کیا ہے...... اگر اوقاف قریبہ مستغنی ہوں اور ان میں احتیاج نہ ہوتو مصالح المسلمین دعوت وتعلیم اور رفاہی مصرف میں خرچ کرنا چاہئے۔

تعلیم کی اہمیت کا اندازہ شیخ محی الدین بن شرف نووی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے جس میں انہوں نے تعلیم وتعلم کی غرض سے عورت کو غیر محرم کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے اور دلیل میں علامہ تاج الدین سبکی کا قول پیش کیا ہے: "قد كشفت كتب المذاهب فإنما يظهر عنها جواز النظر للتعليم فيما يجب تعلمه وتعليمه كالفاتحة" (الاشباہ والنظائر للسیوطی ر۱۸۱) کتب مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کی تعلیم وتعلم واجب ہے ان میں غیر محرم کو دیکھنا جائز ہے جیسے سورۂ فاتحہ، جن حضرات کو بھر پور فقہی بصیرت حاصل ہے ان کو غور کرنا چاہئے کہ عامۃ المسلمین کی مصلحت اور نفع عام کس میں ہے: "فإن المفتي في سعة أن يفتي بذلک بشرط أن يرى مصلحة المسلمين الاجتماعيه ونفعهم العام كما تابع العلامة الشامي الإمام الحلوائي والإمام أبا شجاع فی نقل أنقاض المسجد"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فقہی بصیرت کا ہی نتیجہ تھا کہ جب آپ سے کہا گیا کہ غلاف کعبہ بوسیدہ ہوگیا ہے تو آپ نے اصلح للمسلمین کی رعایت کرتے ہوئے غلاف کو فروخت کرا کر اس کی قیمت رفاہی مصرف میں خرچ کی جبکہ غلاف کعبہ پر وقف تھا (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ۳۱ر ۲۲۳)۔

ابن تیمیہ کے فتاوی سے بھی ائمہ ومؤذنین وعلوم قرآن وفقہ وسنت سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے اوقاف کے جواز کا پتہ چلتا ہے: "فأجاب - قدس الله روحه- الحمدلله رب العالمين: الأعمال المشروطة فی الوقف من الأمور الدينية مثل الوقف على الأئمة والمؤذنين و المشتغلين بالعلم والقرآن والحديث والفقه ونحو ذلک" (مجموع الفتاوی ۳۱ر ۵۷)۔

۳- قنیہ کے حوالہ سے علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں ایک عبارت تحریر فرمائی ہے جس سے اس طرح کے مصارف میں اوقاف کا ثبوت ملتا ہے: "وفی القنية: وقف الأدوية

بالتیمار خانہ لا یجوز إذا لم یذکر الفقراء'' (ہسپتالوں میں دواؤں کا وقف اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک فقراء کا ذکر نہ ہو) ہاں فقراء کے ضمن میں اغنیاء بھی شامل ہو جائیں گے اور یہاں تو وہ مالدار ہو کر بھی اس قابل نہیں کہ اس موذی اور کثیر صرفہ والی بیماری سے نجات پاسکیں، اس لئے وہ مالدار بھی غریب ہی کے حکم میں ہیں، چنانچہ ایسے حضرات بھی وقف کا مصرف ہیں۔

۴- ہم لوگ جس ملک میں ہیں وہ ملک نہ تو اسلامی ہے اور نہ زمانہ ہی عہد اسلامی ہے کہ اس طرح کے کار خیر میں حکومتی سطح پر اوقاف کا قیام ہو، اس لئے عامة المسلمین کی ذمہ داری ہے کہ اصلح للمسلمین کی خاطر اوقاف کا نظم قائم کریں تاکہ لاچار و نادار لوگوں کی کفالت، علاج ومعالجہ وتعلیم وتعلم کا بندوبست ہو سکے اور اقامت دین، تحفظ دین ودعوت وتبلیغ کی راہیں ہموار ہو سکیں اور اسلام پر آنے والی مشکلات و پریشانیوں کا دفاع کیا جاسکے۔

اب اخیر میں چند تجاویز اور فقہاء کی نصوص پیش ہیں جو تقریباً تمام سوالات کا جواب بن سکتی ہیں:

۱- اوقاف کے مسائل کے استیعاب سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوف علیہم کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جن کے موقوف علیہم موجود ہیں دوسرے جن کے موقوف علیہم موجود نہیں۔ پہلی صورت میں موقوف علیہم کی زائد اشیاء جس کی اس موقوف علیہ کو نہ تو فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ سوال کردہ مصارف میں خرچ کیا جاسکتا ہے، مثلاً مسجد کی چٹائی، تیل وغیرہ جس کی اس مسجد کو نہ تو اب ضرورت ہے نہ آئندہ تو اسے فقراء و مساکین وغیرہ پر خرچ کیا جاسکتا ہے (المغنی مع شرحہ ۶/ ۲۲۹، علامہ ابن تیمیہ کی بھی یہی رائے ہے، مجموع الفتاوی ۳۱/ ۲۱۳)۔

۲- دوسرے وہ جن کے موقوف علیہم موجود نہیں معدوم ہو چکے ہیں، ایسے وقف کا استعمال بھی صورت مسئولہ میں جائز ہوگا، کیونکہ اس وقف کا مقصود اصلی صدقہ جاریہ ہے (المغنی مع الشرح ۶/ ۲۱۷)۔

۳-اسی طرح وہ مساجد ومدارس جن پر اوقاف تھے مگر ان دنوں نہ مسجد ہی ہے نہ مدرسہ ہی اور لوگ وہاں سے ترک سکونت کر چکے ہیں تو ایسے اوقاف کی آمدنی فقراء ومساکین پر خرچ کی جاسکتی ہے (الفتاوی البزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶ / ۲۶۴)۔

۴-وہ اوقاف جو بطور وقف شہرت یافتہ ہیں مگر دیوان قضا یا وقف بورڈ میں واقف کی جانب سے شرائط وقف ومصارف وقف کا پتہ نہیں چلتا ہے تو انہیں بھی مذکورہ مصارف میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ صورتیں تو وہ تھیں جہاں اوقاف پہلے سے قائم تھے، انہیں مزید ثمر آور منفعت بخش بنانے کی تدابیر تھیں۔ اب وہ صورتیں پیش خدمت ہیں جہاں از سر نو اوقاف کا قیام ہو۔

۵-مدارس ومکاتب وتعلیم گاہوں پر اس طرح وقف کیا جائے کہ مذکورہ تمام اداروں کا رجسٹریشن سوسائٹی نیز وقف بورڈ دونوں میں اس کے بائی لاز کے ذریعہ ہو اور اس کے دستور وشرائط میں جملہ مقاصد ہوں۔ مدارس کی رجسٹرڈ کمیٹی کے توسط سے مطلقہ اور بیواؤں کی امداد وکفالت (یا ماہانہ پنشن کے طور پر) دینی وعصری اداروں کا قیام، مریضوں کا علاج ومعالجہ، دین کا تحفظ اور اس کی دعوت وصحافت ودفاع عن الدین وغیرہ ہوتا رہے۔

۶-ہندوستان کے تمام اوقاف کا سروے کیا جائے اور وہ اوقاف جو منجمد ہیں یا ان کی افادیت کمتر ہے، ان کے بارے میں مرکزی وصوبائی وقف بورڈ سے درخواست کی جائے کہ وہ انہیں فعال اور بیش از بیش منفعت بخش بنائے۔

۷-بیت المال کا قیام ہو اور اس میں دراہم ودنانیر وغیرہ وقف ہوں اور رقوم کو وقف کے زمرہ میں لانے کے لئے مضاربت کا معاملہ کیا جائے تاکہ ان دراہم ودنانیر پر وقف کی تعریف صادق آسکے: "قيل: و كيف، قال: يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصدق بها في الوجه الذي وقف عليه وما يكال أو يوزن يباع ويدفع ثمنه لمضاربة" (شامی قدیم ۳ / ۵۱۸)۔

۸- مذکورہ مسئلہ سے ہٹ کر ایک صورت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ملک کے طول وعرض میں وعظ وتقریر، صحافت وخطابت ودیگر وسائل سے کام لے کر مسلمانوں اور ارباب خیر سے اپیل کی جائے کہ لوگ اپنی اپنی ماہانہ ویومیہ آمدنی سے کچھ فیصد ان مقاصد کے لئے پس انداز کرتے رہا کریں اور رضا کارانہ طور پر کچھ لوگ اسے وصول کر اس مقصد کے تحت قائم کردہ کمیٹی کے حوالہ کرتے رہیں۔



اوقاف کا قیام
کئی مسائل کا بہترین شرعی حل

مولانا راشد حسین ندوی ☆

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

فقراء اور مساکین پر وقف کرنے کی مثالیں ہمیں ہر دور میں کثرت سے مل جائیں گی، لیکن مطلقہ اور بیوہ عورتوں پر الگ سے وقف کرنے کی مثالیں عام طور سے نظر نہیں آئیں گی، اس لئے کہ اسلامی قانون وراثت اور قانون نفقات کی موجودگی میں اس کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں تھی، مطلقہ اور بیوہ اگر مال دار گھرانہ کی ہوتی تھی تو اس کو وراثت ہی میں اتنا کچھ مل جاتا تھا کہ وہ مستغنی ہو جاتی تھی، جن کو وراثت کا مال ناکافی ہوتا تھا اور کچھ دقت ہوتی تھی ان کے لئے نفقات کا مستقل ایک ضابطہ تھا، جس کے تحت اقارب پر اس کی خبر گیری لازمی تھی، اس کی تفصیل علامہ ابن نجیم سے سنئے:

"ولقريب محرم فقير عاجز عن الكسب بقدر الإرث لوموسراً، أي وتجب النفقة للقريب إلى آخره" (البحر الرائق ۴/۲۰۹)۔

"وقيد عن الكسب وهو بالأنوثة مطلقاً وبالزمانة ونحوها في الذكر، فنفقة المرأة الصحيحة الفقيره على محرمها، فلا يعتبر في الأنثى

☆ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی۔

إلاالفقر" (ایضاًص ۲۱۰)۔

(کمائی سے عاجز ذی رحم محرم نادار کا نفقہ اس کو مالدار فرض کر کے وراثت کے بقدر واجب ہوتا ہے، کمائی سے عاجزی کی جو قید لگائی ہے وہ عورتوں میں مطلقاً رہتی ہے اور مرد میں معذوری اور نابینا وغیرہ ہونے پر ہوتی ہے، اس طرح تندرست محتاج عورت کا نفقہ اس کے محرم پر واجب ہو جاتا ہے اور عورت میں صرف محتاجی کا اعتبار کیا جاتا ہے)۔

لیکن موجودہ دور میں صورت حال میں بڑی تبدیلی آ چکی ہے، اسلام کے قانون وراثت کو نظر انداز کر کے عورتوں کو میراث سے محروم رکھا جا رہا ہے، خاص طور سے اتر پردیش جیسے صوبوں میں (جہاں اس قانون پر عمل کرنے میں کچھ قانونی رکاوٹیں بھی ڈال دی گئی ہیں) اس قانون پر عمل کرنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

اور قانون نفقات پر عمل تو بالکل ہی ختم ہو گیا ہے، اقارب بیوہ عورتوں اور مطلقہ خواتین کی خبر گیری کرتے بھی ہیں تو اپنی دانست میں احساناً وتبرعاً کرتے ہیں، واجب جان کر نہیں اور خاصی بڑی تعداد تو اس ''احسان'' کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی، کچھ لوگ ''زبان خلق'' کے خوف سے اوپری دل کے ساتھ کچھ کرنا بھی چاہتے ہیں تو ''بے چارے'' اپنی بیویوں کے عتاب کے ڈر سے اپنے کو معذور پاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی خبر گیری کی برکات سے یہ لاچار عورتیں اسی وقت مستفید ہو سکتی ہیں جب غیرت وخودداری کا خون کر دیں اور عزت نفس کا جنازہ نکال دیں۔

ہماری اصل ذمہ داری ہے یہ ہے کہ اسلامی قانون وراثت اور نفقات جاری کرنے کی کوشش کریں یہ مسئلہ تاکہ مستقل طور پر حل ہو جائے، لیکن درمیانی مدت کے لئے یہ بھی مناسب شکل ہو سکتی ہے کہ اوقاف کے ذریعہ ان کا معاشی تکفل کیا جائے، فقراء ومساکین پر کئے جانے والے عام اوقاف سے بھی ان کے زخموں پر مرہم رکھا جا سکتا ہے اور مستقل اوقاف کے ذریعہ بھی۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

علماء دین عصری علوم کی طرف بھی توجہ دیں

علماء دین نے دینی مراکز کے قیام کو اپنا مقصد بنایا اور اس کے ذریعہ تحفظ دین اور دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیا، انہیں اس میدان میں بھرپور کامیابی ملی اور اس میدان میں کوئی واقف شخص کسی کوتاہی کا شکوہ نہیں کرسکتا، ہمارے ان اسلاف نے (اللہ ان کے مراقد کونور سے بھردے) پورے ہندوستان میں مدراس و مکاتب کا جال بچھادیا، لیکن ان حضرات نے علوم عصریہ کے مراکز قائم کرنے میں نہ دلچسپی دکھائی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی اور اس وقت یہی مناسب اور مفید بھی تھا تا کہ دانشوران قوم کو اپنے جوہر دکھانے کا بھرپور موقع مل سکے۔

لیکن یہ تجربہ بڑا تلخ رہا ہے، علماء کے دلچسپی نہ لینے کے سبب عصری علوم کے میدان میں مسلمان ابناء وطن سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں، جبکہ علوم دینیہ میں اس طرح کا شکوہ نہیں کیا جاسکتا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۸۰ فیصد نوجوان کالجوں میں جاتے ہیں اور بمشکل ۲۰ فیصد مدارس دینیہ میں آتے ہیں (یہ تعداد ظنی ہے، اندازہ اس سے بھی بڑے فرق کا ہے) لیکن جس کثرت سے دینی علوم کے ماہرین ہمیں ہر طرف مل جاتے ہیں، ڈاکٹرس وکلاء اور انجینئر اس تعداد میں نظر نہیں آتے۔

لہذا علماء دین کے لئے ضروری ہے کہ اس میدان کی طرف بھی توجہ دیں تا کہ عصری علوم میں بھی ہم اتنی ترقی کرلیں کہ دنیا کی ضرورت بن جائیں اور ہمارے بغیر سائنس، ٹکنالوجی، انجینئرنگ، میڈیسن، سرجری اور دوسرے اعلی علوم کا گلشن بے رونق اور سونا معلوم ہو، اس کے لئے ان شعبہ ہائے علم سے متعلق مراکز کا قیام اوقاف کے ذریعہ ہونا چاہئے۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف

تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں شہر شہر شفاخانوں کا جال بچھایا،

جہاں ہر طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا تھا، بہت سے شفا خانے جانوروں کے علاج کے لئے مخصوص تھے، بعض سنگین بیماریوں کے شفا خانے مستقلاً ان سب کے علاوہ تھے اور عام طور سے ان شفا خانوں کے مصارف ان اوقاف سے پورے کئے جاتے تھے جو مسلمانوں نے شفا خانوں ہی کے لئے خاص طور سے کرر کھے تھے (تفصیل کے لئے دیکھئے: مجلۃ البحوث الفقہیہ رجب شعبان رمضان ۱۵ ۱۴ھ)۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ دوسرے امور کی طرح اس امر میں بھی مسلمان آج پستی کا شکار ہوگئے ہیں، عیسائی مشنریاں بظاہر خدمت خلق کے جذبہ سے لیکن بباطن تبلیغی اور تبشیری مقاصد سے جگہ جگہ ہزاروں اسپتال کامیابی سے چلا رہی ہیں اور شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بڑی حد تک اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کررہی ہیں، لیکن کم ہی ایسے ملی اسپتال اور قابل ذکر شفاخانے ہوں گے جو مسلمانوں کے زیر انتظام کامیابی سے چل رہے ہوں، پہلی بات تو ان اسپتالوں کی تعداد ہی بہت کم ہے اور جو ہے بھی وہ اس لائق نہیں قرار دیئے جاسکتے کہ بطور مثال ان کا ذکر کیا جائے۔

البتہ کچھ ایسے پرائیوٹ اسپتال اور نرسنگ ہوم کامیابی سے ضرور چل رہے ہیں جن کو مسلم ڈاکٹروں نے تجارتی مقاصد سے قائم کررکھا ہے۔

اس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی اسپتال اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ کسی ڈاکٹر کے زیرانتظام ہو، لہذا اسپتالوں کے قائم کرنے سے پہلے ضروری ہوگا کہ ملی درد رکھنے والے داکٹرس سے رجوع کیا جائے اور ان کے مشوروں سے کام کو آگے بڑھایا جائے، ورنہ اس مد میں قائم کئے جانے والے اوقاف خواہ مخواہ ضائع ہوجائیں گے۔

جہاں تک کینسر اور ایڈز جیسے امراض کے لئے معیاری اسپتال قائم کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے اسی وقت کوشش کی جائے جب عام نوعیت کے طبی مراکز پوری طرح کامیابی سے ہمکنار ہوچکیں، پھر زینہ بزینہ ترقی کرتے ہوئے مخصوص اور سنگین امراض کے مراکز بھی قائم کرنا آسان اور ممکن ہوجائے گا۔

۴-تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

دشمنان اسلام نہایت ہی منصوبہ بند طریقہ سے اپنے باطل خیالات نیز دین اسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک وشبہات پھیلا رہے ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن ذریعہ اور وسیلہ کو اختیار کر رہے ہیں۔

لہذا ضرورت ہے کہ اس محاذ پر بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا جائے اور ہر ممکن اور جائز ذریعہ سے ان کے زہر کا ازالہ کیا جائے ،اوقاف کے ذریعہ بلاشبہ یہ کام آسانی سے ہوسکتا ہے۔

اوقاف کو ثمر آور کیسے بنایا جائے

احقر کے خیال میں بہتر یہ ہوگا کہ اس کے لئے ماہرین اقتصادیات سے مدد لی جائے، پھر اوقاف کی شرائط کی روشنی میں ان کے مشوروں کے مطابق اوقاف کو زیادہ ثمر آور اور نفع بخش بنانا انشاء اللہ ممکن ہو سکے گا۔



اوقاف کی فضیلت، تاریخ اور موجودہ دور میں ان کے قیام کی بعض عملی صورتیں

مولانا عبد السبحان ندوی ☆

وقف کی فضیلت اور اس کی تاریخ

وقف ایک ایسی عبادت ہے جس کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے، رسول اکرم ﷺ کے سامنے جب کبھی کوئی معاشرتی یا اقتصادی مسئلہ آتا تو آپ وقف وصدقات کی ترغیب دیتے تھے، ہجرت کر کے جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں پینے کے میٹھے خوشگوار پانی کی قلت تھی، ایک کنواں بئر رومہ نامی تھا جس کا پانی بڑا لذیذ اور انتہائی خوشگوار تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کے مابین اس کا باضابطہ اعلان فرمایا کہ کون ہے جو بئر رومہ کو خرید کر اللہ کے لئے وقف کردے اور جنت کا حق دار بن جائے، یہ فضیلت چونکہ حضرت عثمان کے مقدر میں تھی اس لئے آپ ہی نے وہ کنواں خرید کر تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، خود بھی عام مسلمانوں کی طرح جا کر اس سے پانی بھرتے تھے، "قال عثمان: أنشدكم بالله وبالإسلام هل تعلمون أن رسول الله ﷺ قدم المدينة وليس بها ماء يستعذب به غير بئر رومة فقال: من يشتري بئر رومة فيجعل فيها دلوه مع دلاء المسلمين بخير له منها في الجنة فاشتريتها من صلب مالي فجعلت دلوي فيها مع دلاء المسلمين" (بخاری، کتاب الوصایا ۳۳، باب إذا وقف أرضا أو بئرا، النسائی، کتاب الأحباس حدیث: ۳۶۳۸ ۲) (میں تم سے اللہ اور اسلام کا

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، رائے بریلی۔

واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے، رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں بئر رومہ کے علاوہ کوئی اور میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا، آپ نے فرمایا: کون ہے جو بئر رومہ کو خرید لے اور خود بھی عام مسلمانوں کی طرح وہاں سے پانی لے (یعنی وقف کردے) اور جنت میں اس سے کہیں بہتر چشمہ پائے، اس وقت میں نے ہی اپنے ذاتی مال سے وہ کنواں خریدا اور اپنا حصہ بھی اس میں عام مسلمانوں کی طرح رکھا، صحابہ نے کہا کہ عثمان! تم سچ کہتے ہو)۔

جہاں تک زمین یا جائیداد اللہ کے راستے میں وقف کرنے کا معاملہ ہے اس میں بلاشبہ اولیت حضرت عمر کو حاصل ہے، جب آپ نے اپنی خیبر والی زمین وقف کی تو عام مہاجرین کا خیال یہی تھا کہ یہ اولین وقف ہے جو اللہ کے راستے میں کیا گیا۔

"عن عمرو بن سعد بن معاذ قال: سألنا عن أول حبس في الإسلام فقال المهاجرون: صدقة عمر، وقال الأنصار: صدقة رسول الله ﷺ" (فتح الباری ۵/ ۴۰۳، کتاب الوصایا)۔

حضرت عمرو بن سعد بن معاذ کہتے ہیں: ہم نے صحابہ کرام سے اسلام میں اولین وقف کے بارے میں دریافت کیا، مہاجرین کا کہنا تھا کہ اولین وقف حضرت عمر کا تھا جبکہ انصار نے کہا کہ اولین وقف رسول اکرم ﷺ کی طرف سے تھا)۔

واقدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جو زمین اللہ کے لئے وقف کی گئی وہ مخیریق کی تھی۔ ان کا تعلق بنوثعلبہ سے تھا، یہود کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ دعوت حق آپ پر اثر انداز ہوئی، انہوں نے احد کے دن اپنی قوم کو دعوت دی کہ رسول اکرم ﷺ کے شانہ بشانہ لڑیں، اس لئے کہ آپ نبی برحق ہیں، قوم نے انکار کیا، خود جنگ میں شرکت کی، بے جگری سے لڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ خاصے صاحب جائداد تھے۔ مدینہ میں آپ کے سات باغات تھے، انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال رسول اکرم ﷺ کے حوالہ ہے، آپ جیسا چاہیں تصرف کریں، آپ نے سارا مال مسلمانوں کے لئے وقف

فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا: مخیرّیق قوم یہود میں سب سے بہتر ہیں، رضی اللہ عنہ وأرضاہ (البدایہ والنہایۃ ۳/۲۳۶، ۳۸/۴)، حضرت محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا اولین وقف تھا (البدایہ والنہایہ ۲۳۶/۳۰، ۳۸/۴)، اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے اور واقدی کی تاریخی حیثیت مسلم ہونے کی بنا پر اس روایت کو مجروح نہ قرار دیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے وقف کی صرف تحریض ہی نہیں کی بلکہ عملاً اپنی زمین وقف بھی فرمائی ہے، اس لحاظ سے وقف سنت قولی بھی ہے اور سنت عملی بھی، پھر آپ ﷺ کے انتقال کے بعد تو آپ کی ساری زمین و جائداد ایک طرح سے وقف ہی مانی گئی۔ "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركنا فهو صدقة" (بخاری، کتاب فرض الخمس، فضائل اصحاب النبی ۱۲، مسلم، کتاب الجہاد: ۴۹، ۵۲) (گویا تمام انبیاء کرام کا چھوڑا ہوا مال یا تو صدقہ ہوتا تھا یا پھر مسلمانوں پر وقف)، رسول اکرم ﷺ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام بھی اس مبارک عمل میں سب سے پیش پیش رہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "لم يزل العدد الكثير من الصحابة فمن بعدهم يلون أوقافهم" (فتح الباری ۵/ ۴۰۳) (صحابہ کرام اور آپ کے بعد والوں کی ایک کثیر تعداد اپنے اوقاف کی دیکھ ریکھ خود کرتی تھی) اس سے معلوم ہوا کہ ایک کثیر تعداد نے اپنے مال کا کچھ حصہ اللہ کے راستہ میں وقف کر رکھا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری فرماتے ہیں: "فما أعلم أحداً ذا مقدرة من أصحاب رسول الله ﷺ من المهاجرين والأنصار إلا حبس مالاً من ماله صدقة موقوفة لا تشترى ولا تورث ولا توهب" (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۱۸۵، ۱۸۷، کتاب الوقوف، من روائع حضارتنا ۱۲۴) (رسول اکرم ﷺ کے مہاجر و انصار صحابہ میں جو ذرا وسعت والے تھے کوئی ایسا نہ تھا جس نے اپنا کچھ نہ کچھ مال راہ خدا میں وقف نہ کیا ہو، جس کو نہ خریدا جا سکتا تھا نہ ہبہ کیا جا سکتا تھا اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی تھی) بعد میں تو اوقاف کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا جس کی نظیر کسی اور قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وقف اہل اسلام کی خصوصیت ہے، یعنی زمین و جائداد کو

وقف کرنا، زمانہ جاہلیت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے اپنی زمین یا جائداد وقف کی ہو(فتح الباری ۵؍ ۴۰۳)۔

وقف کن لوگوں پر کیا جائے

وقف ہر طرح کے لوگوں پر کیا جاسکتا ہے، حضرت عمر نے جن اصناف پر اپنی زمین وقف فرمائی تھی ان میں درج ذیل قسمیں شامل تھیں:

(۱) فقراء، رشتہ دار، اس سے مراد واقف کے اقرباء بھی ہو سکتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے اقرباء بھی ہو سکتے ہیں، پہلی توجیہ راجح ہے۔

(۳) فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اسلام)۔

(۴) غلاموں کی آزادی کے لئے۔

(۵) مہمان۔

(۶) مسافر (فتح الباری ۵؍ ۳۹۹، باب الوقف کیف یکتب)۔

حضرت عثمان کا وقف عامۃ المسلمین کے لئے تھا۔ حضرت ابن عمر نے اپنا گھر آل عمر کے ضرورت مندوں کے لئے وقف فرمایا تھا، حضرت انس نے اپنا ایک گھر وقف کیا تھا جو مدینہ منورہ میں تھا، جب آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو قیام مدینہ کے دوران وہیں رہتے۔

حضرت زبیر نے اپنے بعض مکانات اپنی ان بیٹیوں کے لئے وقف کئے تھے جو طلاق بائنہ پا چکی تھیں، یا ان کے شوہر کے انتقال کر جانے کی بنا پر ان کے لئے رہائش کا کوئی نظم نہ تھا (فتح الباری ۵؍ ۴۰۶)۔

ان تمام احادیث اور واقعات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوقاف صرف ضرورت وحاجت کے لئے ہی نہیں بلکہ راحت کے لئے بھی ہو سکتے ہیں، عمومی بھی ہو سکتے ہیں اور خصوصی بھی۔ محدود بھی اور لامحدود بھی، بالخصوص رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ ضرورت کے وقت وقف کرنے سے اجر میں بھی بہت اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ حضرت عثمان

نے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر وقف کردیا تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت سنائی اور ان کے اس عمل کی بڑی پذیرائی فرمائی۔

اوقاف میں اجتماعی ضرورت کا لحاظ

اوقاف میں اجتماعی ضرورتوں کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی، ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی آزاد کی، جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: اگر تم اپنے اخوال یعنی ماں کے خاندان والوں کو یہ باندی ہبہ کرتیں تو تمہیں اجر وثواب اور زیادہ ملتا (بخاری، کتاب الھبۃ ۱۵، مسلم، کتاب الزکاۃ ۴۴)، یہاں بات تو ہبہ کی ہے لیکن غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ آزادی جیسے افضل ترین عمل پر بھی کبھی کبھی اجتماعی ضرورتیں بازی لے جاتی ہیں، موجودہ دور کا مسئلہ انتہائی حساس ہے۔

یہ مشترکہ مسئلہ علماء امت اور اصحاب ثروت دونوں کا مشترکہ مسئلہ ہے کہ ایسے اوقاف قائم کئے جائیں جن کے ذریعہ ملت اسلامیہ ہندیہ آزمائش کے اس دور سے نکل جائے اور ایک بہتر مستقبل کی طرف پیش قدمی کرسکے۔

۱-مریضوں کے لئے اوقاف

اسلام جسمانی صحت پر کافی زور دیتا ہے اور اسے انسان کے ذاتی حق کے ساتھ ساتھ شرعی تقاضا بھی قرار دیتا ہے، اسلام میں ایسے مؤمن کو جو طاقتور ہو اللہ کی نظر میں زیادہ محبوب اور پسندیدہ بتایا گیا ہے: "المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف وفي كل خير" (مسلم)، اسی طرح یہ بات بھی زور دے کر کہی گئی ہے کہ آدمی پر اس کے جسم کا بھی حق ہے: "وان لجسدک علیک حقاً" (بخاری، کتاب الصوم، ۵۱، ۵۴، ۵۵، مسلم کتاب الصیام ۱۸۳، ۱۸۷)، خود رسول اکرم ﷺ سے مختلف امراض کے علاج اور اس کی ترکیبیں بھی ثابت ہیں، احادیث کی کتابوں میں کتاب الطب کے عنوان کے تحت بہت سارے محدثین نے

احادیث درج کی ہیں بلکہ طب نبوی پر علماء امت کی مستقل تصنیفات بھی ہیں، ہماری تہذیب، ہماری تاریخ اور ہمارا شاندار ماضی اس کی گواہی دیتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ عالم اسلامی کا چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا شہر ایسا نہ تھا جہاں ایک سے زیادہ اسپتال نہ ہوں، ان کے لئے بڑی بڑی جائدادیں وقف ہوتی تھیں، ایک وقت ایسا تھا کہ صرف قرطبہ میں پچاس بڑے اسپتال تھے (من روائع حضارتنا للدکتور مصطفیٰ السباعی ص ر ۱۴۰)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم دین کے بعد علم طب کو سب سے افضل قرار دیا ہے، علم دین انسان کی روحانی بالیدگی کا سامان کرتا ہے اور انسان کی معنوی شخصیت کی بقاء کی ضمانت لیتا ہے، اسی طرح علم طب انسانی جسم کو صحت اور عافیت کے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "لا أعلم علماً بعد الحلال والحرام أنبل من الطب" (سیر اعلام النبلاء للذہبی ۱۰ر۵۷) (حلال وحرام کے علم کے بعد طب سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے)۔

اوقاف سے متعلق کرنے کے کام

اوقاف کے میدان میں ہمیں دو طرح کے کام کرنے ہوں گے:

پہلا کام نہایت اہم ہے وہ یہ کہ ہمارے سابقہ اوقاف جن میں اکثر عمومی اور مطلق تھے ان کو واگذار کروایا جائے، اس کے لئے قانونی لڑائی لڑی جائے، ان اوقاف پر جو بددیانت افراد حاوی ہیں ان کو بے دخل کیا جائے، اگر وہ اوقاف حکومت کے قبضہ میں ہیں تو حکومت کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے، ان ہمدردان ملت کی جائدادوں کو از سر نو قابل انتفاع بنایا جائے، بھیڑیا صفت افراد کے قبضہ میں موجود ہمدردان ملت کی جائدادوں کو از سر نو قابل انتفاع بنایا جائے جو اوقاف کے ایندھن سے اپنے لئے جہنم کی آگ بھڑکا رہے ہیں، صرف پنجاب، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، کرناٹک اور بہار میں کل جائداد اوقاف کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار کے لگ بھگ ہے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی جن میں مدھیہ پردیش میں ۷۵ فیصد سے

زائد اوقاف ناجائز قبضہ میں ہیں اور پنجاب میں ۶۰ فیصد کے قریب ناجائز قبضہ میں ہیں (ہندوستان میں وقف بورڈس کا نظام، رپورٹ، سالار محمد خاں ص ۶)، اس کے علاوہ ہر صوبہ کے اوقاف میں ایک بڑا حصہ یا تو حکومت کے ناجائز قبضہ میں ہے، یا پھر بدیانت متولیان کے ہتھے چڑھا ہوا ہے، اوقاف کی واگذاری کے لئے مسلمانوں کی نمائندہ تنظیمیں اگر یکجا ہوکر یہ کام کریں تو بہت کچھ مفید نتائج نکل سکتے ہیں، بالخصوص مسلم پرسنل لابورڈ کی طرف سے اگر ایک ''بحالی اوقاف فورم'' قائم کیا جائے تو امکان ہے کہ امت کی یہ امانتیں ملت کے تعمیری کاموں میں پھر سے استعمال ہوسکیں۔

دوسرا کام یہ ہے کہ نئے اوقاف قائم کئے جائیں۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

یہ سماج کا سلگتا ہوا مسئلہ ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں مسلم معاشرے میں بھی معاشی ناہمواریوں کی بنا پر بہت ساری خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، اسلام نے مطلقات اور بیواؤں کی کفالت کے لئے جو ترتیب قائم کی تھی آج مسلم معاشرہ کا ایک بڑا حصہ عملاً اس سے کنارہ کش ہوچکا ہے، فقہ شافعی کی رو سے معاشی کفالت کی ذمہ داری ترتیب وار چلتی ہوئی بیت المال تک جا پہنچتی ہے، اگر بیت المال کا نظم نہ ہوتو اس علاقہ کے اصحاب ثروت اس کے ذمہ دار ہیں، اگر وہ بھی اپنی ذمہ داری ادا نہ کریں تو پھر یہ ذمہ داری اور پھیلتی ہے، یہاں تک کہ کفایہ وجوب پوری قوم پر عائد ہوتا ہے، اس کی رو سے دیکھا جائے تو جو خاتون بھی معاشی بدحالی سے تنگ آکر اپنے لئے غلط راستے ڈھونڈ لیتی ہے اس کا ذمہ دار پورا معاشرہ ہوگا اور ہر ایک کے ذمہ اپنے حصہ کے بقدر گناہ کا بوجھ ضرور ہوگا، لہذا بیواؤں اور مطلقات کے لئے اوقاف کا نظم اگر معاشی کفالت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہوتو پورے معاشرے کی یکساں ذمہ داری ہے، یہ کام اتنا عظیم اور اہم ہے کہ ایسے شخص کو رسول اکرم ﷺ نے مجاہد فی سبیل اللہ، قائم اللیل اور صائم النہار سے

تشبیہ دی ہے، ارشاد رسالت ہے: "**الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: وكالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر**" (بخاری، نفقات: ۱، ادب: ۲۵، ۲۶، مسلم، کتاب الزہد ۴۱) (بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ایسا نمازی ہے جو بلاتکان نماز پڑھتا جائے، یا ایسا روزہ دار ہے جو ہمیشہ روزے سے رہے)، حضرت عمر تو ان عورتوں کے گھر بھی تشریف لے جاتے جن کے شوہر وقتی طور پر جنگی مصروفیات کی بنا پر غائب رہتے اور ان خواتین کی ضروریات پورا کرنے پر خاص توجہ فرماتے، آج کل اس طرح کے واقعات صرف پڑھنے اور سر دھننے کے لئے رہ گئے ہیں، عملی اقدام کرنے والے بس چند گنے چنے لوگ ہی رہ گئے ہیں۔

اوقاف کو مفید اور ثمر آور کیسے بنایا جائے؟

جہاں تک اوقاف کو مفید اور ثمر آور بنانے کا معاملہ ہے تو اس کی شرط اول دیانت داری ہے، امت مسلمہ میں جب تک اس صفت کا وجود رہا اوقاف نے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اوقاف بلاشبہ حکومت کے اندر ایک پوری حکومت کا کام انجام دیتے تھے، مسجدیں، مدرسے، اسکولس، یونیورسٹیاں، شفاخانے، کارخانے، سڑکیں، سرائے خانے، کنویں، قبرستان، پل، رہائشی مکانات، لائبریریاں، قلعے، رصدگاہیں، کونسا ایسا تہذیبی وتمدنی سرمایہ تھا جو اوقاف کے ذریعہ محفوظ نہ رکھا گیا ہو، آج یہ صفت عنقا ہے، ضرورت ہے ایسے دیانت دار افراد کی جو اسے سنبھال سکیں، سالار محمد خاں (ایڈوکیٹ) کی رپورٹ میں جو ہندوستان میں وقف بورڈس کے نظام سے متعلق ہے، یہ بات صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے کہ وقف سے متعلق آج کے سنگین مسائل میں سب سے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ اوقافی جائداد پر غاصبانہ قبضہ ہے، جس کی وجوہات میں ایک اہم ترین وجہ متولیان کی بددیانتی ہے، حدیث شریف میں ایسے

لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد نبوی کافی ہے: "إن رجالا يتخوضون في مال الله بغير حق فلهم النار يوم القيامة" (بخاری،خمس ۷) (کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق مداخلت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے قیامت کے دن آگ ہے)، جب ناحق مداخلت پر یہ وعید ہے تو ناجائز تصرف اور غاصبانہ قبضہ پر کیا کچھ وعیدیں نہ ہوں گی، غور کرنے کا مقام ہے۔ اس کا حل بعض حضرات نے یہ سوچا ہے کہ اگر متولی وقف خائن یا بددیانت ہو تو موقوفہ مال کو موقوف علیہ کے زیر تصرف دے دیا جائے، اس لئے کہ وقف کا فائدہ تو موقوف علیہ کی ملک ہے، لہذا اسے کل وقف ہی کا مالک بنا دیا جائے تو مناسب ہوگا، لیکن یہ حل کوئی آسان نہیں ہے، اس لئے کہ اگر وقف کی جہت عام ہو یا موقوف علیہ فقراء ومساکین ہوں تو یہ لوگ وقف کو کس طرح سنبھال سکتے ہیں، دوسرے یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے جب موقوف جائداد کا مالک ہی موقوف علیہ کو قرار دیا جائے، جو بہرحال کمزور مسلک ہے، ورنہ راجح مسلک تو یہی ہے کہ اصل وقف کی ملکیت اللہ تبارک وتعالی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی سے مدارس اوران کے لئے اوقاف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، جن میں کچھ مشہور مدارس یہ ہیں: مدرسہ نظامیہ، مدرسہ صالحیہ، مدرسہ ظاہریہ، مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ عباسیہ وغیرہ (مجلۃ البحوث الفقہیہ ۱۵ ۱۴ء، رجب شعبان رمضان ۱۲۵، ۱۲۶)۔

یہ تمام مدارس اوقاف سے چلتے تھے، مدرسہ نظامیہ کے بارے میں تاریخ العرب میں ہے: "یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مدرسہ نظامیہ وہ معیاری درسگاہ تھی جس کی تقلید یورپ کے ان دانش کدوں نے بھی کی جو بعد میں جامعات یعنی یونیورسٹیز کی حیثیت سے مشہور ہوئے (نگارشات، مولانا عبداللہ عباس ندوی بحوالہ Hitti-History of the Arabs -P- 260)۔ خود امام شافعیؒ نے ایک مدرسہ قائم فرما کر اس کے لئے اپنا گھر وقف کر دیا تھا، مدارس اوران کے لئے

اوقاف کا سلسلہ بعد کی صدیوں میں اس قدر ترقی کر گیا کہ مشہور سیاح ابن جبیر کے مطابق جب اس نے دمشق کا دورہ کیا تو وہاں چار سو مدارس وقف کے تھے (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ، ۱۵، ۱۴۱۳، رجب شعبان، رمضان ص ۱۲۷)، نعیمی نے کچھ مدارس اور ان کے لئے وقف کی ہوئی جائدادوں کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے، جس کے مطابق صرف دمشق میں فقہ حنفی کی تدریس کے ۵۲ مدارس، فقہ شافعی کی تدریس کے ۶۳ مدارس اور فقہ حنبلی کے گیارہ مدارس تھے (ایضاً ص ۱۲۷)، دمشق کا سرسبز وشاداب قطعہ جسے غوطہ دمشق کہا جاتا تھا، یہ لگ بھگ پورا کا پورا وقف تھا (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ، رجب شعبان رمضان ص ر ۱۳۰) بالخصوص تعلیمی امور کے لئے، اس کے علاوہ چھوٹے موٹے مکاتب کی تعداد تو بے شمار تھی، اس کے لئے جو اوقاف تھے وہ صرف طلبہ کی رہائش ہی کے لئے نہیں تھے، بلکہ ان کے کھانے پینے دوا علاج اس سے آگے بڑھ کر ان کے بیوی بچوں تک کی کفالت کا ان مدارس کے اوقاف میں بھرپور انتظام تھا (ایضاً ص ۱۲۷، ۱۳۶)، اس کثرت وفراخی کو دیکھ کر ابن جبیر نے یہاں تک کہہ دیا: تكثر الاوقاف على طلبة العلم في البلاد الشرقية فمن شاء الفلاح فليرحل إليها (ایضاً ص ۱۲۹) (تشنگان علم کے لئے تو مشرقی ممالک میں اوقاف کی بہتات ہے، جو بھی نمایاں کامیابی حاصل کرنا چاہے وہیں جائے)، ابوالنعیم رضوان النصری نے غرناطہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اس کے اخراجات کا بندوبست کیا اور اس کے لئے جائدادیں وقف کیں، یہ مدرسہ اپنی مثال آپ تھا، خوش نمائی، وسعت، حسن ذوق اور شان وشکوہ کا نمونہ تھا، اس کے لئے ایک کثیر مقدار میں نہر سے پانی آنے کا راستہ بنایا گیا تھا (نگارشات عبداللہ عباس ندوی ۸۴، بحوالہ الاحاطہ فی اخبار غرناطہ، لسان الدین ابن الخطیب)۔

تعلیم وتعلم اور علم وفن کی ترقی کے لئے مسلمانوں نے مساجد کے ذریعہ بھی خوب خوب کام لیا ہے اور ان پر بہت کچھ وقف کیا ہے، یہ مسجدیں صرف نماز پنجگانہ کے لئے نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان میں سے اکثر علمی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں، اندلس کی مسجد قرطبہ، مراکش کی جامع قزوین، قاہرہ کی جامع ازہر، دمشق کی مسجد اموی اور تیونس کی جامع الزیتونہ، یہ سب فی الحقیقت

مساجد تھیں جو آہستہ آہستہ پوری یونیورسٹی کی شکل اختیار کرگئیں، ان میں جامع ازہر، جامع قزوین اور جامع الزیتونہ پر بہت کچھ اوقاف تھے جن سے ان کا پورا خرچ چلتا تھا(مجلۃ البحوث الفقھیہ المعاصرہ ۱۴۱۵ رجب شعبان رمضان ص ۱۲۶)۔

اسی طرح مکتبات یعنی لائبریریوں کے لئے بھی اچھے خاصے اوقاف ہوا کرتے تھے، یہ محض لائبریریاں نہ تھیں، بلکہ علم وفضل کی دانشگاہیں تھیں، جہاں علم کا دریا بہتا تھا، دنیا جہاں کے محققین یہاں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے، ان پر اوقاف کی آمدنی دل کھول کر خرچ کی جاتی تھیں، جو بھی کتابوں سے استفادہ کے لئے دور سے آتا اسے یہ سہولتیں ضرور ملتی تھیں، رہائش، اسکالرشپ اور صفائی ستھرائی کا بے مثال نظم تھا، مثلاً ان کے لئے خاص غسل خانے ہوتے جسے عام آدمی استعمال نہیں کرسکتا تھا، طبی خدمات اور ان کے لئے اسپیشلسٹ ڈاکٹرس ہوتے جو وقتاً فوقتاً ان کا چیک اپ کرتے، بیمار ہونے پر ان کے لئے مخصوص اسپتال ہوتے، گویا وی آئی پی شفاخانے ہوتے جہاں ہر طرح سے ان کی دیکھ بھال ہوتی، اس کے علاوہ خادمین کی سہولت الگ سے میسر تھی جو روزمرہ کے کام انجام دیتے (ایضاً ص ۱۲۷)، گویا ان محققین کو تمام فکروں سے فارغ کردیا جاتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانہ میں ایسے ایسے محققین پیدا ہوئے جن کے کارناموں پر آج بھی دنیا فخر کرتی ہے۔

کچھ مکتبات کا حال آپ بھی سن لیں:

مکتبۃ الخلفاء الفاطمین، یہ فاطمی خلفاء کی لائبریری تھی جہاں اکثر مورخین کے نزدیک بیس لاکھ کے لگ بھگ کتابیں تھیں (من روائع حضارتنا للدکتور مصطفی السباعی ص ۱۵۹)۔

مکتبہ دار الحکمہ، قاہرہ: یہ مکتبہ حاکم بامر اللہ کا قائم کیا ہوا تھا، ۳۹۵ھ میں اس میں لگ بھگ ساڑھے سات لاکھ کتابیں تھیں (ایضاً ص ۱۵۹)۔

بیت الحکمہ: اسے ہارون رشید نے قائم کیا تھا، مامون کے دور میں یہ اوج کمال کو پہنچا، روم و یونان کی اکثر کتابوں کا ترجمہ جب مامون کے حکم سے کیا گیا تو وہ کتابیں اسی مکتبہ کی زینت

بنیں، یہ ایک پوری یونیورسٹی تھی، جہاں محققین مطالعہ کرتے اور آپس میں تبادلہ خیال بھی ہوتا، گویا اسے اپنے زمانے کا علمی وتحقیقی بے مثال مرکز قرار دیا جاسکتا ہے (ایضاص ۱۵۹، ۱۶۰)۔

مکتبہ بنی عمار، طرابلس، یہاں کی کتابوں کی تعداد مناسب اندازے کے مطابق بیس لاکھ کے قریب تھی (ایضاص ۱۶۰)۔

ان مدارس ومکتبات میں علوم عصریہ کی بھی تعلیم ہوتی تھی اور اس کے لئے بھی خوب خوب اوقاف تھے، مسلمانوں نے اس میں اپنوں اور غیروں کی بھی تفریق نہیں کی، غیر بھی اوقاف کی سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ، رجب شعبان رمضان ۱۵ ۱۴ھ ص ۱۲۷)۔

ان ہی موقوفہ مدارس میں پڑھ کر امام غزالی جیسے نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے اور دنیا پر چھا گئے، ان ہی مدارس سے کسب فیض کر کے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی ثانی بنے، متقدمین بلکہ متوسطین میں کسی کی بھی سیرت اٹھایئے اکثر یہ ملے گا کہ ان کی تعلیم فلاں موقوفہ مدرسہ میں ہوئی، اس ناحیہ سے دیکھا جائے تو دینی علوم کی ترویج واشاعت میں اوقاف کا کردار کبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعلیم وتعلم کے لئے اگر خدانخواستہ دائمی اوقاف کا قیام نہ ہو پارہا ہو تو اتنا ضرور کیا جاسکتا ہے کہ عارضی طور ہی پر اہل ثروت سے فائدہ اٹھایا جائے، ان کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ان غریب مگر ذہین بچوں کا خیال رکھیں جو صرف غربت کی بناء پر حق تعلیم سے محروم ہورہے ہوں، پھر ہر متمول شخص کم سے کم ایک طالب علم کا بار تو اپنے ذمہ لے، اپنی زندگی سہولت سے گذارنے کا یہ سب سے آسان اور ثواب سے بھرپور راستہ ہے کہ آدمی دوسروں کی مدد کرے، "والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه" (اللہ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے)، رسول اکرم ﷺ نے نبوت ملنے سے قبل ہی یہ مبارک عمل اپنے حق میں لازم کرلیا تھا، حضرت خدیجہ نے جن الفاظ میں آپ کی توصیف کی ہے، ان کا پہلا جملہ ہی یہ ہے کہ آپ تو دوسروں کا بوجھ ڈھوتے ہیں، اللہ آپ کو رسوا کیسے کرسکتا ہے:

کلا واللہ لا یخزیک اللہ أبدا إنک تحمل الکل (بخاری، بدء الوحی ۳، کفالہ ۴، مسلم، کتاب الایمان ۲۵۲)، ان احادیث کی روشنی میں کسی بھی تاجر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی ایک طالب علم کی مکمل تعلیم اپنے ذمہ لے اور اپنے نفع کا ایک حصہ اس پر خرچ کرتا رہے، یہاں تک کہ وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہو جائے، کوئی صاحب جائداد اپنی زمین اگر وقف نہ کرنا چاہے تو اتنا ہو سکتا ہے کہ اپنی پیداوار کے ایک حصہ کو کسی طالب علم کی تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے الگ کر لے، اوقاف کے ذریعہ اگر دائمی اور پائدار کام نہ ہو رہے ہوں تو اس طرح کے عارضی اور وقتی کام تو کئے جا سکتے ہیں، پھر یہ چھوٹی موٹی کوششیں بھی رنگ لائیں گی، فرض کیجئے کسی علاقے میں بیس بڑے مالدار ہیں اور وہ بیس غریب مگر ذہین طلبہ کو پڑھا لکھا کر اچھا شہری بنائیں، کیا یہ طلبہ آئندہ چل کر اپنے جیسے کئی اور طلبہ کا سہارا نہیں بنیں گے؟ بس ترتیب قائم کرنے پھر اسے قائم رکھنے کی ضرورت ہے، مالدار صحابہ نے اسی طرح نادار صحابہ کو آگے بڑھایا ہے، پھر دنیا نے دیکھا کہ (عجم) میں ایسے ایسے نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے کہ آج علمی دنیا کی گردن ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے کسی کاریگر کی مدد کرنے کو بھی افضل عمل بتایا ہے (بخاری، کتاب العتق ۳، مسلم، کتاب الایمان ۲۵۲)، اس زمانے میں "علم" سے بڑھ کر کونسی صنعت ہو سکتی ہے، ضرورت ہے کہ انفاق فی سبیل الخیر کے جذبہ کو تازہ رکھا جائے، جو اس امت کا نمایاں امتیاز ہے۔

☆☆☆

معاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار

مولانا بلال احمد القاسمی ☆

وقف کی شرعی حیثیت

''الإسعاف'' میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات باغوں کو وقف کیا جو اسلام میں پہلا وقف خیری تھا، یہ باغات ''مخیریق'' نامی ایک یہودی کے تھے، جو ہجرت نبوی کے بتیسویں ماہ کے آغاز میں اس وقت مارا گیا جب وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی طرف سے شریک قتال تھا، اس نے وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے اموال محمد ﷺ کے لئے ہوں گے، وہ انہیں اللہ کی مرضی سے صرف کریں گے، احد کے دن یہودیت پر ہی اس کی موت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''مخیریق اچھا یہودی تھا'' نبی کریم ﷺ نے ان سات باغوں کو اپنی تحویل میں لے کر انہیں صدقہ یعنی وقف کردیا، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقف ہوا، پھر صحابہ کرام کے اوقاف مسلسل ہوتے گئے (الاسعاف فی احکام الاوقاف لبرہان الدین بن ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی ص ۹-۱۰)۔

نبی کریم ﷺ نے صدقۂ جاریہ کی ترغیب دی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسی مفید خدمت انجام دے جس کا فائدہ محض وقتی نہ ہو بلکہ اس کے گزر جانے کے بعد بھی اس کا فائدہ جاری رہے اور اس کا اجر وثواب اس کو مسلسل ملتا رہے۔ نیل الاوطار میں ہے: ''إذا مات ابن

☆ نائب مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ

آدم انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية، أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (۶/ ۱۲۷)۔

وقف کی تعریف

وقف کے معنی لغت میں روکنے کے ہیں، پھر یہ اسم مفعول یعنی موقوف کے معنی میں مشہور ہو گیا (الدر مع الرد ۳/ ۳۵۷)۔

وقف کی شرعی تعریف میں حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے۔

امام صاحب کے نزدیک ملکیت باقی رکھتے ہوئے منافع کو صدقہ کر دینے کا نام شریعت میں وقف ہے (درمختار ۳/ ۳۵۷)۔

اور حضرات صاحبین اور اکثر علماء کے نزدیک کسی چیز کو اللہ رب العزت کی ملکیت میں دے کر اس کے منافع کو اپنے پسندیدہ جائز مصارف پر صرف کرنے کا نام شریعت میں وقف ہے (درمختار ۳/ ۳۵۸)۔

وقف کا حکم

وقف کا حکم مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ ہے کہ الفاظ وقف استعمال کرنے سے وقف تام اور لازم ہو جاتا ہے۔ اس کی بیع، ہبہ وغیرہ ناجائز اور حرام ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے: "فقال النبي ﷺ: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، غير أنه لا يباع أصلها ولا يبتاع ولا يوهب ولا يورث الخ" (تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو باقی رکھ کر اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو مگر یہ کہ اس کی اصل نہ بیچی جا سکتی ہے، نہ خریدی جا سکتی ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے)۔

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

وقف کی مشروعیت انسانی فلاح اور بے سہارا لوگوں کو سہارا دینے کے لئے ہوئی ہے۔

لازمی طور پر مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے ملک کے ہر گوشہ، ہر شہر اور ہر صوبہ میں وقفی نظام کا قائم کرنا اور اس کو منظم طور پر چلانا ہر ایک اخلاق مند، غیور اور باضمیر مسلمان کا فریضہ ہے تا کہ قوم کی محتاج اور معاشی کمزوری کی شکار مطلقات اور بیوائیں باعزت زندگی گزار سکیں، در در کی ٹھوکریں کھانے اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے محفوظ رہیں: "الثاني موقوفة صدقة على وجوه البر أو الخير أو اليتامى جاز مؤبداً كالفقراء" (۵/۲۰۰)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: "مسجد کے علاوہ دوسرے کار خیر کے لئے بھی اگر وقف ہو تو شرعاً صحیح ہے تا کہ امور خیر میں لوگوں کے لئے مزید وسعت، سہولت اور آسانی ہو (۱۰/ ۷۶۵۷، نیز دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۷۰)۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلم سماج تعلیم کے میدان میں نہایت پیچھے ہے، یہ بات صرف ہندوستانی مسلمانوں پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ کم وبیش پوری مسلم امت اپنے عددی تناسب کے لحاظ سے دوسری معاصر قوموں کے بالمقابل نہ صرف پیچھے بلکہ بہت پیچھے ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اپنی آبادی کے تناسب سے اس کا تعلیمی ریکارڈ نہایت مایوس کن ہے۔

وقف میں اس مسئلہ کے حل کی ایک بہت اچھی شکل موجود ہے جسے آج وزارت تعلیم انجام دے رہی ہے، اس کے بارے میں قرآن میں بڑی فضیلت اور تاکید آئی ہے اور حدیث میں اس کو صدقۂ جاریہ قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے لوگوں کو مختلف طریقے سے اس کی ترغیب دی ہے۔

ارشاد ہے: "يا أيها الذين آمنوا أنفقوا مما رزقناكم من قبل أن يأتي يوم لا بيع فيه ولا خلة ولا شفاعة" (سورۂ بقرہ: ۲۵۴)۔

(اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی چیز کو خرچ کرو قبل اس کے کہ ایسا دن آئے جس میں نہ بیع وشراء ہوگی اور نہ کوئی سفارش)۔

۳-مریضوں کے لئے اوقاف

دین اسلام رحمت ہے، انسانوں کی خدمت اور اس کی راحت رسانی اس کی تعلیمات کا ایک جزو لاینفک ہیں، قدیم تاریخوں میں وقف کی طبی خدمات مسلم اور ثابت ہیں لیکن آج یہ چیز کمیاب اور مفقود ہے جب کہ عصر حاضر میں ایسے ایسے امراض پیدا ہو گئے ہیں جن کا علاج بہت گراں ہے اور جس پر ہر کوئی قادر نہیں۔

لہذا ایسے وقت میں شرعی اعتبار سے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اوقاف قائم کر کے اسپتال اور طبی مراکز کا نظام ایک اصول اور ضابطے کے تحت چلایا جائے اور مریضوں کا اطمینان بخش اور کارگر علاج کیا جا سکے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۷۶۵۴، ۷۶۵۶)۔

دواؤں کا وقف بصراحت فقراء واغنیاء صحیح ہے، تبعاً امراء کے لئے بھی اس سے انتفاع درست ہے (عالمگیری ۲/ ۳۶۲، البحر الرائق ۵/ ۲۰۳)۔

خلاصہ یہ کہ اسپتال اور طبی مراکز کا نظم چلانے کے لئے اوقاف قائم کرنا اور ان کی آمدنی اور منفعت سے مریضوں کا علاج ومعالجہ اور طبی خدمت کرنا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ مطلوبات شرعیہ میں سے ہے اور اس فریضہ کو انجام دینا ہر صاحب ثروت اور مالدار مسلمان پر ضروری ہے۔ ارشاد ہے: "وفي أموالهم حق للسائل والمحروم"

☆☆☆

متنوع سماجی ومعاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار

مولانا محمد ارشد مدنی چمپارنی ☆

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف کا قیام

موجودہ دور میں غرباء ومساکین اور مطلقہ بیوہ اور بے سہارا عورتوں کا مسئلہ نہایت ہی اہم مسئلہ ہے۔ اسلام کا نظام نفقہ رائج نہ ہونے کی وجہ سے مسلم سماج کے اندر غرباء ومساکین کے ساتھ ساتھ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا معاشی بدحالی کا شکار ہونا عام سی بات ہوگئی ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ کتاب وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز زندگی کو اسوہ بنایا جائے اور ایسے محتاج افراد کی اعانت کے لئے منظم تحریک چلانے کے ساتھ عملاً ان کی معاشی کفالت کا انتظام کیا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے بیوہ عورتوں کی مدد اور ان کی خبر گیری کا خصوصی نظم فرما رکھا تھا (بخاری مع الفتح ۶؍۲۱۵) اسی طرح آپ ﷺ امت کو اس کار خیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو القائم الليل، الصائم النهار" (بخاری، نفقات؍ ۵۳۵۳، أدب؍ ۶۰۰۷)۔

یعنی "بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی کفالت کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ یا راتوں کو تہجد پڑھنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کی طرح ہے"۔

☆ جامعہ ابن تیمیہ، چمپارن، بہار

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اسلامی حکومتوں خصوصاً خلفاء راشدین نے بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے لئے حکومتی سطح پر معاشی کفالت کا انتظام کیا اور اسے بحسن وخوبی انجام دیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک بیوہ عورت کی استدعاء پر اس کا نام بیت المال کے رجسٹر میں درج کرکے اس کے اور اس کے یتیم بچوں کے لئے مستقل معاش کا انتظام فرما دیا (صفۃ الصفوۃ ۱/ ۱۰۷، سیرۃ عمر لابن الجعفری رص ۵۷)۔ اپنی شہادت سے چند ہی روز قبل انہوں نے فرمایا:

"لئن سلمني الله لأدعن أرامل أهل العراق لا يحتجن إلى رجل بعدي أبدا" (بخاری، فضائل الصحابۃ ر ۳۷۰۰) (یعنی "اگر میں زندہ رہا تو عراق کی کوئی بیوہ اپنی گذابسر کے لئے کسی کی محتاج نہ رہے گی)۔

مذکورہ نصوص کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کے باثروت مسلمانوں کے لئے مناسب ہی نہیں بلکہ ان کے اوپر واجب ہے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی معاشی کفالت کا انفرادی یا اجتماعی خصوصی نظم کریں۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی مالی کفالت اور ان کی امداد کی کئی ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر کر دینا مناسب ہے:

۱-ان کے گذر اوقات کے لئے مستقل نظم کیا جائے اور ان کے بال بچوں کی اچھی تعلیم کے لئے خصوصی پیکج متعین کیا جائے۔

۲-بعض عورتیں گھریلو صنعت کے ذریعہ خودکفیل ہونا چاہتی ہیں، ان کے کام میں معاونت کی جائے تا کہ وہ گھریلو صنعت میں ترقی کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل سنوار سکیں۔

۳-خواندہ طبقہ کی عورتوں کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے محلے اور علاقے کی بچیوں کو یہ عورتیں اپنے گھروں میں ابتدائی تعلیم دیں اور ان کا ماہانہ وظیفہ اوقاف جیسے مالیاتی اداروں سے متعین کر دیا جائے یا طالبات کی اقامتی درسگاہوں میں جن میں معلمات کی ضرورت ہو، ان کی تقرری کرکے ان کا اور ان کے بچوں کا مناسب وظیفہ متعین کر دیا جائے۔

۴-مسلمانوں کے اندر بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے شادی کرنے کو رواج دیا جائے اور شادی میں ان کو خوب مدد دی جائے۔

۲-تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

امت کے ذہین بچوں کی تعلیم کے لئے امداد کرنے میں امیر وغریب کی تفریق نہ کی جائے، غریب طلباء کے ساتھ ساتھ امیر طلباء کی بھی مدد کی جائے تا کہ امت کے عام بچوں کے اندر بے فکر ہو کر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ ہمارے اسلاف نے طلباء، علماء، فقہاء اور قضاۃ کی امداد کے سلسلے میں امیر وغریب کی تفریق نہیں کی ہے، انہوں نے خدمت علم کی تشجیع کی خاطر بلا تفریق بیت المال سے وظائف دیئے ہیں، عمرؓ نے اپنے حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ قرآن کی تبلیغ وتعلیم کو عام کرو اور قرآن پڑھنے والوں کے لئے وظیفہ جاری کردو۔ بعض حاکموں نے اطلاع دی کہ بعض لوگ قرآن اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ ان کی معاش کا سلسلہ پیدا ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ وظیفہ بہرحال جاری کردو (کتاب الاموال، ص ۱۷۰)۔ طلباء واساتذہ کے وظائف کا یہ سلسلہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک جاری تھا (طبقات ابن سعد ۵/ ۲۶۴)۔ امام غزالی بیت المال سے علماء دین ومحدثین ومفسرین، فقہاء وقراء اور طلبہ وغیرہ کی امداد ومساعدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وليس يشترط في هؤلاء الحاجة بل يجوز أن يعطوا مع الغنى، فإن الخلفاء الراشدين كانوا يعطون المهاجرين والأنصار ولم يعرفوا بالحاجة وليس يتقدر أيضاً بمقدار بل هو إلى اجتهاد الإمام" (احیاء العلوم ۲/ ۱۳۸)۔

(ان حضرات کی امداد کے سلسلے میں حاجت وضرورت کی شرط نہیں ہے بلکہ مناسب ہے کہ ان کو مالداری کے باوجود دیا جائے، کیوں کہ خلفاء راشدین انصار ومہاجرین کو ان کی ضرورت جانے بغیر دیا کرتے تھے اور اس میں مقدار کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ چیز امام

کے اجتہاد پر موقوف ہوگی)۔
۵-ملک سے باہر اعلیٰ تعلیم۔

۳-مریضوں کے لئے اوقاف

بلاشبہ دورحاضر میں انسانی آمدنی کا معتد بہ حصہ علاج ومعالجہ پرصرف ہورہا ہے اورمتعدد مہلک اور جان لیوا بیماریاں مثلاً ایڈز اور کینسر وغیرہ عام ہوچکی ہیں جن کے علاج کے مصارف برداشت کرنا عام آدمی سے قطع نظر صاحب ثروت افراد کے لئے بھی کبھی کبھی ناممکن ہوجاتا ہے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایسے افراد کی معاونت وامداد ہمارا دینی واخلاقی فریضہ ہے، انسانی ہمدردی اور جذبہ ایثاروقربانی ہم ملت اسلامیہ کا طرہ امتیاز ہے جس کا حکم ہماری شریعت مطہرہ نے دیا ہے، اس لئے انسانی آبادی میں پیش آنے والے مصائب وآلام پر دوسروں کی مدد کرنا اورلوگوں کو اس کارخیر پر ابھارنا خوش آئند اور مستحسن عمل ہے بلکہ بیت المال اوراوقاف کے ذریعہ مختلف بیماریوں میں مبتلا افراد جو علاج کا صرفہ برداشت کرنے سے قاصر ہیں،کی امدادواعانت کا معقول انتظام نہایت ہی ضروری ہے تاکہ مذکورہ بیماریوں کی وجہ سے جو شرح اموات میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے اورمعاشی طور پر کمزور ہونے کے سبب علاج کا صرفہ نہ برداشت کرپانے والے لوگوں میں جو قلق واضطراب ہے ان کا سدباب ہوسکے۔

۴-تحفظ شریعت اوردعوت دین کے لئے اوقاف

اسلامی شریعت اوراس کے اصول ومبادی پر ہمیشہ سے مختلف پیرایہ اورانداز میں حملے ہوتے رہے ہیں، ہردور میں اعداء اسلام نے متعدد ذہنی ،فکری اور مادی ومعنوی وسائل کو استعمال کرکے دین حنیف کو مٹانے کی ناروا کوششیں کی ہیں اورآج کے اس سائنس وٹکنالوجی اورمتنوع وسائل اعلام کے دور میں شریعت اسلامیہ پر حملوں اوراعتراضات کے لئے اعداء اسلام نے مختلف طریقے اپنا رکھے ہیں۔

ماضی میں ہمارے اسلاف نے تحفظ شریعت اور تبلیغ دین کی راہ میں جتنے بھی وسائل وذرائع ہو سکتے ہیں ان کا خوب خوب استعمال کر کے دشمنان اسلام کے اعتراضات کا مسکت ومدلل جواب دیا جس کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنے باہمی اختلافات کے باوجود توحید وسنت کی ٹھنڈی چھاؤں میں زندگی بسر کر رہے ہیں ورنہ آج ہماری حالت کیا ہوتی اہل دانش بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

آج بھی امت مسلمہ کے ہر فرد پر واجب ہے کہ حسب استطاعت دین وشریعت کی حفاظت اور اسلامی احکام کی ترویج واشاعت کے لئے پوری کوشش کریں، اس ضمن میں ارباب حل وعقد پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت اور اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے کوئی منظم طریقہ اختیار کریں، کیونکہ عصر حاضر کے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر ہی ہم اپنی اس کوشش میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔



موجودہ دور میں اوقاف کے شرعی مصارف

مولانا نیاز احمد عبد الحمید مدنی ☆

۱- پریشان حال مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے شہروں اور دیہاتوں میں اوقاف قائم کئے جاسکتے ہیں تا کہ ان مصیبت زدہ عورتوں کی کفالت کی جائے اور یہ پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر غلط راستے پر نہ پڑ جائیں یا ڈال دی جائیں۔

۲- مسلمان تعلیم کے میدان میں پچھڑے ہیں کیا اس کا سبب معاشی بدحالی ہی ہے یہ محل نظر ہے، میری سمجھ سے معاشی بدحالی بعض اعتبار سے رکاوٹ بن سکتی ہے لیکن تعلیمی زوال کا اسے عمومی سبب نہیں قرار دیا جاسکتا، تعلیمی پسماندگی کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

☆ گھر پر طلبہ کی مناسب نگرانی نہ ہونا۔

☆ سرمایہ داروں کا تعلیم کو اہمیت نہ دینا۔

☆ طلبہ کا مطلوبہ محنت نہ کرنا۔

۳- مریض کے لئے اوقاف کا قیام ہونا چاہئے۔

اس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طبقہ کے لوگوں کا علاج کیا جائے۔

جسمانی علاج کے ساتھ روحانی علاج کا بھی نظم کیا جائے۔

☆ ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف کا قیام جائز ہے، تحفظ شریعت کی مختلف شکلیں ہیں:

قرآن کی طباعت، قرآن کے معانی کا ترجمہ، قرآن کی تفسیر، ان کو وقف کے پیسہ سے شائع کر کے مفت فراہم کیا جائے۔

حدیث کا ترجمہ، ......تشریح، تخریج، تحقیق کر کے علماء اور طلبہ کو مفت یا کم قیمت پر فراہم کی جائے۔

اسی طرح دیگر علوم وفنون کی کتابیں شائع کی جائیں جو محقق کوئی کام کر رہا ہے اور مالی اعتبار سے کمزور ہے اس کی مدد کی جائے اور اسی وقف سے اس کی کفالت کی جائے، مذکورہ کاموں میں اخلاص کے ساتھ ساتھ امانت بھی مطلوب ہے۔

وقف کی جدائداد سے یہ کام بھی لیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی کتابوں کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرایا جائے، نیز قرآن، حدیث، فقہ ترجمہ کے کام میں تکرار نہیں ہونی چاہئے۔

وقف کی ایک سرگرمی یہ ہوسکتی ہے کہ قرآن، حدیث یا پیغمبر اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، علماء اس کا مدلل اور منطقی جواب تحریر کریں اور ٹی وی، ریڈیو، اخبار یا کتاب کے ذریعہ اسے عوام تک پہنچایا جائے۔

وقف کی جائداد سے علماء کو وظائف دیئے جائیں اور یہ لوگ دعوت کا کام کریں۔

اس ترقی یافتہ دور میں اوقاف کے ذمہ داروں کا ذہن کامرشیل اور استثماری ہونا چاہئے، اسی طرح اوقاف کے ذمہ داروں کو مختلف اوقاف کے لئے میزانیہ بنا کر اہل ثروت کو اس کی طرف راغب کرنا چاہئے، کہ فلاں پروجیکٹ میں اتنا سرمایہ لگے گا آپ اتنا پیسہ دے کر اسے اپنے نام وقف کرالیں۔

مثلاً: تجارت، زراعت، مچھلی پالن، مرغی پالن، باغ، مضاربت، بس یا جیپ چلوانا، مکتبہ کھول کر دینا، زیراکس، پریس وغیرہ کھولنا۔

مذکورہ چیزوں میں سے کسی کے لئے کوئی جائداد دے یا پرانے وقف سے جو کمائی ہو وہ مطلوبہ حدود سے اگر زائد ہے تو اس کا استثمار کیا جائے اور اسی جیسے مد میں لگایا جائے۔

اگر کوئی جائداد کسی خاص مد کے لئے وقف کی گئی ہے اور مذکورہ مد سے اس کی آمدنی زیادہ ہے تو اسی جیسے مد میں اس کو صرف کیا جا سکتا ہے (مجموع فتاوی شیخ الاسلام)۔



اوقاف کا قیام-ضروریات اور دائرہ کار

مولانا اقبال احمد قاسمی☆

اوقاف کا درجہ اسلام میں دیگر عام صدقات سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، وقف، صدقۂ جاریہ کے زمرہ میں آتا ہے جس کی فضیلت کے لئے یہ مشہور روایت کافی ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (بحوالہ مشکاۃ المصابیح)۔

وقف کی صحت کے سلسلہ میں بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ ابواب خیر میں سے کسی باب میں ہو اور اس کا سلسلہ دواماً جاری وساری رہنے کا امکان ہو۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

غریب مطلقات اور مسکین بیوگان کی کفالت اور اخراجات کے لئے وقف کی صحت وجواز میں تو کوئی شبہ نہیں، کیونکہ ان مصارف پر خرچ کار خیر میں شامل ہے اور اس کے علاوہ ان میں احتیاج اور تابید کی صورت بھی پائی جاتی ہے (فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۷۰)۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

دینی تعلیم کے لئے اوقاف تو قدیم بات ہے، الحمد للہ دینی مدارس کے لئے اوقاف کا

☆ مدرسہ مظہر العلوم، کانپور

رواج بھی کسی قدر ہے، لیکن دنیاوی تعلیم اور ملازمت کے لائق بنانے والی تعلیم وصنعت کے لئے اوقاف کی صحت محل تأمل ہے۔

دنیاوی تعلیم اگر دینی تعلیم کے ضمن میں ہو یا مسلم اسکول کا قیام علاحدہ شکل میں ہو یعنی ملک بھر میں پھیلے غیر اسلامی طرز کے کالج اور عصری تعلیم گاہوں کے برعکس اس میں دینی اعمال کی بیداری اور عمل کے ساتھ غیروں کی تہذیب سے بچا کر ان کو اعلیٰ عصری تعلیم دی جائے اور اس مقصد کے لئے اوقاف کا قیام ہو تو یقیناً کارخیر کا ایک باب شروع ہوگا اور اعمال بر کے دائرہ میں آ کر وقف کی صحت کا سبب ہوگا ورنہ محض کلاسیں پاس کرا کر دین سے دور اور دنیا کے پاس کر دینا کوئی کارخیر کارنامہ نہ ہوگا اور نہ ایسے امور کے لئے وقف کرنا درست ہوگا۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کے سلسلہ میں یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وقف کی عمارت، ہاسٹل وغیرہ سے تو امیر وغریب سبھی طلبہ مستفید ہو سکتے ہیں، لیکن اوقاف کی آمدنی اور رقم واشیاء کا مصرف صرف غریب طلباء ہی ہو سکتے ہیں اور غریب طلباء کی ملازمت میں بھی وقف کی آمدنی سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

مریضوں کے لئے اوقاف

غریب مریضوں کے علاج ومعالجہ کا خرچ بھی ضرورت مند اور فقراء پر اخراجات کا ایک جزء ہے، لہذا فقراء اور غرباء کی دیگر ضروریات پر وقف کی طرح علاج پر خرچ کے مقصد سے کیا گیا وقف بھی صحیح ہے، ضرورت کے تحت موقع محل کے اعتبار سے ہر نوع کے شفاء خانے، ڈسپنسری سے کلینک اور نرسنگ ہوم تک کے اسپتالوں کا قیام یا محض دواؤں کا نظم یا صرف تشخیص وتجویز کی سہولت کے مراکز کا قیام یہ سب صورتیں جائز اور درست ہیں۔ صراحت ہو یا کم از کم نہ ہو تو غرباء کے علاج کے ساتھ ساتھ امراء کے علاج میں بھی رعایت برتی جا سکتی ہے بشرطیکہ وقف کا اصل محل جو فقراء ہیں اس میں خلل نہ پڑے (شامی، کتاب الوقف ۳/ ۴۹۳، نیز شامی ۳/ ۴۵۷)۔

دیگر مقاصد کے لئے اوقاف

دین کے بہت سے ایسے شعبے ہیں جن کو موجود رکھنا اور ان کی حفاظت و بقاء کا نظم اور ان کی ترقی وفروغ پوری امت مسلمہ کا اجتماعی فریضۂ کفایہ ہے، مثلاً:

۱۔ مبلغین اسلام و مصلحین امت کے ذریعہ تبلیغ دین، غیروں میں تبلیغ اسلام اور مسلمانوں میں تذکیر کا کام، معروفات کی ترویج اور منکرات پر نہی۔

۲۔ ہر بستی میں دینی تعلیم کا نظم اور پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل بتلانے کے لئے کسی مستند عالم کا ہونا کم از کم مسلمانوں کے ایمان، عقائد، نکاح، جنائز، اذان وغیرہ کا بندوبست رکھنا۔

۳۔ یتیم خانہ کا قیام اور یتیم ونادار بچوں کی دینی ودنیاوی کفالت وتربیت۔

۴۔ نومسلموں کا نظم جو اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں مظلوم ومحروم ہوکر مسلمانوں کے دامن میں بھی پھل پھول نہیں پاتے اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔

۵۔ عوامی قبرستان کا نظم اور ان کا تحفظ، نیز لاوارث میتوں کی تجہیز وتکفین کا نظم۔

۶۔ اجتماعی حادثات یا آفات سماوی وارضی میں یا فسادات میں جو مجبور وپریشان حال ہوجاتے ہیں ان کے قیام وطعام وریلیف کا نظم۔

۷۔ مسافر خانے، کالونیاں، سبیلیں بنانا۔

۸۔ نشر واشاعت، لائبریری وغیرہ کا قیام۔

۹۔ محکمہ جات شرعیہ، دارالقضاء وغیرہ کا قیام۔

۱۰۔ اعیاد وتقریبات، وغیرہ مواقع میں غرباء کے لئے کپڑوں اور ضروریات کی فراہمی۔

اس قسم کی جملہ دینی خدمات جو کہ لابدی ہیں اور اسلامی حکومت نہ ہونے کے باعث تعطل کا شکار ہیں یا ہوسکتی ہیں، کوئی ذریعہ نہ ہونے کی صورت میں اوقاف کی آمدنی سے بھی انجام دی جاسکتی ہیں، ان کارہائے خیر کی انجام دہی کرنے والوں کی تنخواہ بھی بربنائے ضرورت (قیاساً علی اجرت التعلیم) وقف کی آمدنی سے دینے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہ ہوگا، واقف کا منشاء پورا ہوگا اور عنداللہ اجر کا سبب ہوگا۔

وقف کے سلسلہ میں چند قابل لحاظ مسائل

حاجات وضروریات کے تنوع کے پیش نظر وقف کے مصرف کے تعین میں واقف کو یہ ہدایت کردینا چاہئے کہ وہ وقف کا مصرف از خود نہ قرار دے کر اس میں یا تو توسع سے کام لے یا وقف کے متولی کی صوابدید پر چھوڑ دے تاکہ واقف کی غرض کے خلاف وقف کا مصرف اختیار کرنے کی قباحت لازم نہ آئے (شامی ۳/ ۵۸۵، عالمگیری ۲/ ۴۹۰)۔

محکمۂ اوقاف ایک سرکاری محکمہ بھی ہے جو بلا مبالغہ حکومت کے شعبوں میں سب سے خائن شعبہ ہے، اس لئے حتی الامکان اوقاف کو ان کے عمل دخل سے اور ان کے تصرفات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے، یوں بھی اوقاف کو شرعاً سرکاری محکمۂ اوقاف کے حوالہ کرنا ضروری نہیں ہے (خانیہ ۳/ ۲۹۷)۔

اوقاف کو مستحکم اور اس کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کے لئے ایک تدبیر فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ متولی جو اوقاف میں آمد وخرچ اور تصرفات کا ذمہ دار ہوتا ہے اس پر ایک نگراں کمیٹی بھی مسلط رہے جو صرف نگرانی کا اختیار رکھے گی کہ جائز مصرف کے علاوہ کوئی تصرف نہ ہو سکے (خانیہ ۳/ ۲۹۷)۔

وقف کی آمدنی کے جو مصارف ہیں ان پر خرچ کرنے میں بھی حدود کا لحاظ ضروری ہے، مثلاً:

وقف کی آمدنی اوقاف کے استحکام میں لگانا جائز ہے تزئین ونقش ونگار میں نہیں (خانیہ ص ۲۹۱، عالمگیری)۔

وقف کے متولی فرد یا کمیٹی کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ وقف کا حساب سالانہ یا عند الطلب واقف یا وقف سے فائدہ اٹھانے والوں یا معاملہ فہم دیانتدار محلّہ والوں یا قاضی کے سامنے پیش کرتا رہے اور اپنا دامن صاف رکھنے کی کوشش کرے (درمختار ۳/ ۵۸۸، (عالمگیری ۲/ ۴۹۰)۔

☆☆☆

تحریری آراء:

مختلف دینی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

اسلام میں فلاح و بہبود کے کاموں کی ذمہ داری حکومت پر ہے اور وقف کا ادارہ ایک ایسا پرائیویٹ ادارہ ہے جو فلاح و بہبود کے کاموں میں حکومت کی امداد اور اعانت کرتا ہے۔

وقف کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع سے فائدہ پہنچایا جاتا ہے اور یہی بات اس کو سب سے ممتاز کرتی ہے۔ اس لئے ہر وقف صدقہ ہے، مگر ہر صدقہ وقف نہیں ہے۔ صدقہ دینے والے کی ملک سے نکل کر جس کو دیا گیا اس کی ملک میں چلا جاتا ہے، لیکن وقف واقف کی ملکیت سے نکل کر مالک حقیقی کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے منافع سے ہمیشہ ہمیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔

۱- جہاں تک مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف قائم کرنے کا تعلق ہے یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، مطلقہ اور بیوہ عورتیں خاوند کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد بے سہارا ہو جاتی ہیں، اس لئے ایسا وقف ضرور ہونا چاہئے جو ایسی خواتین کو سہارا دے اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد دے۔

☆ جامعہ دار السلام، مالیر کوٹلہ، پنجاب

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام بھی نہایت ضروری ہے، ہمارے بچوں کو مناسب تعلیم نہ ملنے سے ان کی صلاحیتیں برباد ہورہی ہیں اور بعض اوقات ایسے بچے اچھی تعلیم وتربیت نہ ملنے کی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہوجاتے ہیں، اس لئے تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام نہایت ضروری ہے۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف قائم کرنا اسلام کی روایت رہی ہے، وہ لوگ جوطبی امداد حاصل کرنے کی سکت نہیں رکھتے، ان کے لئے کم خرچ اور مفت علاج معالجے کے سہولت کا ہونا ایک صحت مند سماج کے لئے ضروری ہے، صرف علاج ہی کے لئے نہیں بلکہ ایسے کیمپ بھی لگائے جائیں جن میں حفظان صحت کے اصولوں اور طریقوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے، مریضوں کے اوقاف کے تحت اس طرح کے کیمپوں کا لگنا اور ان کے ذریعہ لوگوں کو صحت کے تحفظ کے طریقوں سے باخبر کرنا نہایت مفید ہوگا۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے بھی مستقل وقف ہونا چاہئے، قرآن مجید میں سورۂ توبہ کی آیت ۷: ''وفي سبيل الله'' کے جملے میں جہاں مجاہدین شامل ہیں، وہیں دین کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے اور شریعت کے تحفظ کی خدمات انجام دینے والے بھی اس کا مصداق ہیں، اس لئے اگر ایسے اوقاف قائم ہوں گے تو دین کی دعوت کا کام زیادہ منظم اور وسیع پیمانہ پر انجام دیا جاسکے گا۔

البتہ یہ غور کرنا ہوگا کہ حکومت ہند کے وقف ایکٹ کے تحت جو ریاستی اوقاف قائم ہیں اس سے الگ ہوکر اوقاف کے ایک مستقل ادارے کو قانونی تحفظ کیسے حاصل ہوگا۔ حکومت کے قائم کردہ وقف بورڈوں پر لوگوں کو اعتماد نہیں رہا اور اس سے بدگمانیاں عام ہوچکی ہیں لیکن ایک مستقل ادارہ جو عوامی ادارہ ہوگا اس کو قانونی تحفظ اور لوگوں کا اعتماد دونوں حاصل کرنے ہوں گے، اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ امت مسلمہ میں اجتماعی کاموں کو ٹھیک ڈھنگ

سے کرنے کا ابھی وہ سلیقہ پیدا نہیں ہو سکا ہے جو اس طرح کے کاموں کے لئے ضروری ہے، خصوصاً مالیات کے معاملے میں احتیاط کا پایا جانا اور اس کے لئے معتمد افراد کا ملنا یہ سب باتیں ہمیں پیش نظر رکھی ہوں گی۔



تعلیمی، رفاہی اور دینی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام وقت کی اہم ضرورت

مولانا محمد ارشاد القاسمی ☆

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

ایسے مصارف کے لئے اوقاف کا قیام شریعت اور وقت کا اہم تقاضا ہے۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

تعلیمی مقاصد کے لئے بھی اوقاف کا قیام ''بِرّ'' کے مفہوم میں شامل ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۸/ ۱۹۵)۔

۳- مریض کے لئے اوقاف کا قیام

''بِرّ'' کے جامع مفہوم میں جو وقف کے مقاصد میں ہے، یہ بھی شامل ہے، ان کی مالی اعانت اوقاف کی آمدنی سے اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ فقراء کے ذیل میں شامل ہوکر یہ علاج معالجہ کے لئے مالی تعاون حاصل کریں گے۔ اور شفا خانہ کا قیام جہاں ان کا بحسن وخوبی علاج کیا جاسکے، اس کے لئے بھی اوقاف کا قیام جائز ہے اور اوقاف کے مقاصد میں ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ/ص ۱۹۵)۔

☆ مدرسہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور۔

۴-تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

اس امر کی ضرورت ہندوستان جیسے ملک میں بہت شدید ہے اور یہ برّ اور قربت کے جامع مفہوم میں داخل ہے (شامی ۳۴۱/۲)۔



نئے اوقاف کے قیام کے لئے پیش بندی کی ضرورت

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

سوال نامہ میں : ۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی فلاح و بہبود، ۲- مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ، ۳- مریضوں کی خبر گیری اور ۴- تحفظ شریعت کے مقصد سے اوقاف کے قیام کی جو تجویز پیش کی گئی ہے، اس کے محمود اور مطلوب ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ ملت اور ملت کی اس طرح کی دیگر ضروریات و مقاصد کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے، جہاں تک امت کی فلاح و بہبود کے لئے نفس اوقاف کے مسئلہ کا سوال ہے تو اس کی فضیلت اور برتری کے حق میں اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت میں اس بابرکت روایت کی ابتداء کا سہرا موفق امت حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے سر ہے، آپ ﷺ کی اجازت سے خیبر میں اپنی 'ثمغ'' نامی اراضی کو راہ خدا میں وقف قرار دیا (ہدایہ ۲/۷/۲۱ طبع رشیدیہ، دہلی)۔ اس کے سلسلے میں اللہ کے آخری رسول ﷺ کی وہ احادیث اس کے علاوہ ہیں جن میں اس کار خیر کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے (ایک حوالہ کے لئے دیکھئے: الامیر الصنعانی (م ۱۱۸۲ھ): سبل السلام شرح بلوغ المرام ۳/۴ ۹۳، ۷ ۹۳ طبع جدید مکتبہ عاطف (مصر) تصحیح و تعلیق: محمد عبد العزیز الخولی)۔

اس کی بنا پر آج بھی بالخصوص بے سہارا خواتین کی بہتری اور ان دیگر مقاصد کے لئے اوقاف کے قیام کی ترغیب مسلم عوام کو دی جاسکتی ہے، جن کی زیر نظر سوالنامہ میں نشاندہی کی گئی

☆ ادارہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ۔

ہے۔موجودہ حالات میں جبکہ بحمد للہ امت میں ایک طبقے کو خوشحالی اور آسودگی میسر ہے اس کے لئے مزید فضا ہموار کی جاسکتی ہے، شہری آبادی میں مسلمانوں کے پاس بڑی بڑی عمارتیں اور حویلیاں ہیں جن کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور تھوڑے سے عزم وارادے سے وہ انہیں راہ خدا میں وقف کر سکتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں بھی خاص طور پر قدیمی عمارتوں اور حویلیوں کی بڑی تعداد ہے جن کا ان کے مالکوں کے لئے اب کوئی خاص مصرف نہیں رہ گیا ہے، ان کو راہ خدا میں وقف کر کے دین وملت کی بڑی خدمت کی جاسکتی ہے اور اپنے نامہ اعمال کو سرسبز وشاداب کیا جاسکتا ہے، شہر اور دیہات دونوں جگہ دوکانوں اور زراعت اور کاشت کی زمینوں کو بھی اسی طرح مختلف مقاصد کے تحت راہ خدا میں وقف کیا جاسکتا ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے موجودہ نازک اور پیچیدہ حالات کے پس منظر میں بلاشبہ علماء وعمائدین امت ان کو اس کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں اور ان کی اس پکار پر مسلم عوام وخواص کو لازماً توجہ دینی چاہئے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے مسئلہ کی طرف بھی امت کو متوجہ کرنا چاہئے اور وہ ہے امت کے اندر تنظیم کی قوت کا پیدا کیا جانا جس کے نتیجے میں کاموں کو مل جل کر دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ لگاتار اور مسلسل باہمی مشاورت اور اعتماد کی فضا میں انجام دیا جاسکے۔ اس صلاحیت کے لحاظ سے امت اسلامیہ ہندیہ کا حال بالکل کھوکھلا ہے اور اس کے تمام ادارے، فورم اور تنظیمیں اکثر وبیشتر دکھاوے کی اور حقیقی قوت سے محروم ہیں، ورنہ دیانتداری، شورائیت اور تنظیم کی صلاحیت اگر ہندوستانی مسلمانوں کے اندر موجود ہو تو جیسا کہ کہا جاتا ہے آج صرف پنجاب اور ہریانہ کے مسلمانوں کے قدیمی اوقاف سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسی کئی ایک یونیورسٹیاں چلائی جاسکتی ہیں۔لیکن بہرحال امت کی ضرورتیں بہت پھیلی ہوئی ہیں اور ان اوقاف کے باوجود مسلمانوں کے لئے نئے اوقاف کی روررت کسی طرح کم نہیں ہوتی ہے، البتہ نئے اوقاف کے قیام کے ساتھ ان کے مؤثر انتظام کی بھی اول دن سے اسی طرح فکر کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ پرانے اوقاف کے مانند ہمارے یہ نئے اوقاف بھی ہماری روایتی بدنظمی اور نااہلی کی نذر ہو جائیں اور ان

کی بدحالی کی شکایت کے ساتھ ان کے مؤیدین ومجوزین کی طرف بھی تنقید واعتراض کی انگلیاں اٹھنے لگیں۔ اس کی پیش بندی کرتے ہوئے نئے اوقاف کے قیام کی ترغیب اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پلیٹ فارم سے دی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

اوقاف کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے جامع منصوبہ بندی کی ضرورت

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

فقہ اکیڈمی کے ارکان تاسیسی کی فکر اور اس کے لئے ممکنہ حل قابل مبارکباد ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ متولیان اوقاف اپنا حق ادا نہیں کرتے، آج جو ہمارے قدیم بزرگوں کے اوقاف ہیں اگر انہیں کی ٹھیک دیکھ بھال کی جائے اور موجودہ شرح کرایہ ان کی مقرر کی جائے اور جو شکستہ ہوگئے ہیں ان کی تعمیر جدید کی جائے تو آپ کے مذکورہ مدات کے لئے بہت کچھ ضرورت ان سے پوری ہوسکتی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ضلع وار اوقاف کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں علماء حق شامل ہوں اور وہ قدیم اوقاف کا سروے کریں، جن اوقاف کے متولیان غبن کررہے ہیں یا حق تولیت ادا نہیں کررہے ہیں ان کی تولیت توڑی جائے اور ہر مکتبہ فکر کے علماء حق کی ایک کمیٹی بنا کر کار تولیت ان کے سپرد کیا جائے، وہ ذرائع آمدنی بھی بڑھائے اور اس کو اس کے مصارف پر خرچ کرے، مزید اہل اسلام کو اس میں تعاون کے لئے سرگرم کرے، چاہے بذریعہ وقف ہو یا وقتی امداد ہو۔ اس میں جو مصارف زکاۃ کے تحت آتے ہیں، ان کے لئے زکاۃ بھی وصول کی جائے، جب علماء حق اور بااثر دین دار، دین پسند مسلمانوں کی کمیٹیاں بنیں گی اور صحیح خدمت مسلمانوں کی انجام دیں گی تو اوقاف بھی بڑھیں گے اور موجودہ اوقاف میں سدھار بھی آئے گا، مسلمان قوم آج ہمارے دینی و دنیاوی رہنماؤں سے بدگمان ہوچکی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان میں اپنا اعتماد

☆ انگوری باغ، رامپور۔

بحال کیا جائے تو اس جیسے کام خود بخود پورے ہونے لگیں گے۔ افسوس یہ ہے کہ علماء، صوفیاء اور رہنمایان قوم خدمت کے محاذ پر پورے نہیں اترتے، اگر فقہ اکیڈمی یہ کام انجام دے سکتی ہے تو اس میں ضرور پیش قدمی کرنا چاہئے ورنہ قوم کے سرمائے کو ضائع کرنے اور اپنے اوپر ایک اور داغ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، ماشاء اللہ آپ حضرات کو مجھ سے اس معاملہ میں کہیں زیادہ تجربہ ہے اور اوقاف کی حالت سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔ آپ نے جو چار مدات قائم کی ہیں ضروری ہیں لیکن سوچ سمجھ کر اور غور وفکر کے بعد قدم اٹھانا چاہئے۔

☆☆☆

نئے اوقاف کے قیام سے متعلق تجاویز پر غور

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری ☆

ملی ضروریات کی تکمیل کے لئے اوقاف کے قیام کی ترغیب بظاہر بہت اچھی تجویز ہے اور دیانت دارانہ طور پر اس پر عمل ہو جائے اور مستحقین تک اوقاف کی آمدنی پہنچانے کا انتظام ہو تو بلا شبہ اس ذریعہ سے بڑے بڑے کام انجام پا سکتے ہیں، لیکن عملی اور تجرباتی زندگی میں ہمارے ملک میں آج ایسی صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ حصول آمدنی کے لئے اوقاف کی ترغیب دینا محض بے فائدہ بلکہ مضر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حکومت اسلامی کے مفقود ہونے کی وجہ سے ۹۰/فیصدی سے زیادہ اوقاف خود مسلمانوں کی طرف سے دست درازی کا شکار ہیں اور واضح طور پر نہایت بے دردی سے ان کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ مثلاً:

۱- اوقاف کے متولی حضرات وقف کی جائدادوں میں مالکانہ تصرف کرتے ہیں اور ان کی آمدنی اصل مصارف میں خرچ نہیں کرتے ہیں۔

۲- بعض مرتبہ متولیان کی خیانت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ وہ وقف بورڈ کے بددیانت افسران سے مل کر وقف جائداد کو فروخت کر دیتے ہیں۔

۳- وقف کی جگہ پر جو قابض ہوتا ہے وہ آسانی سے خالی نہیں کرتا اور وقف کے کرایہ دار نسلاً بعد نسل قابض رہنے کی وجہ سے مقبوضہ دوکان یا جائداد پر مالکانہ تصرف کرتے رہتے ہیں۔

☆ دارالافتاء، جامعہ قاسمیہ، مدرسہ شاہی، مرادآباد۔

۴-عموماً کرایہ داروں اور اوقاف کے متولیوں میں مقدمہ بازی شروع ہو جاتی ہے جو دسیوں سال میں بھی نمٹنے میں نہیں آتی اور ادارہ کا بڑا سرمایہ اس میں ضائع ہوتا رہتا ہے، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی جیسے بڑے اداروں کے اوقاف کے شعبوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر قابض کرایہ داروں سے مقدمہ بازی چل رہی ہے اور اس شعبہ کی آمدنی بہت محدود ہے جبکہ خطرات اور تحفظ اوقاف کے لئے محنتیں کہیں زیادہ ہیں۔

۵-مذکورہ باتوں سے قطع نظر یہ بھی ایک المیہ ہے کہ جس ملی ادارہ کے ساتھ وقف وغیرہ کی شکل میں آمدنی کے متعین ذرائع جتنے زیادہ پائے جاتے ہیں اسی اعتبار سے اس میں اقتدار کے لئے رسہ کشی بھی تیز ہو جاتی ہے اور طالع آزما قسم کے لوگ ان اداروں پر قابض ہو کر من مانی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

ان سب خرابیوں کی اصل بنیاد یہ ہے کہ یہاں کوئی ایسا طاقتور ادارہ اور حکومت موجود نہیں جو وقف کا صحیح معنی میں تحفظ کرے، انہیں خائن منتظمین اور متولیان سے بچائے اور اوقاف کو خرد برد ہونے سے محفوظ رکھے، جب تک اس کا انتظام نہ ہو یہاں اوقاف کی ترغیب کیسے دی جاسکتی ہے؟ اگر بالفرض کسی ادارے میں وقتی طور پر اس میں کوئی فائدہ بھی نظر آتا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ بھی یہ نفع برقرار رہے گا، لہذا اوقاف کی ترغیب سے متعلق تجویز لانے سے پہلے اس راہ کی مشکلات کا سدباب کرنے کا انتظام کر لینا چاہئے، اس کے بعد ہی ترغیبی پہلو اپنانا چاہئے۔

مسلم اوقاف کا اسلامی حکومت سے بڑا گہرا جوڑ ہے، فقہ اسلامی کا ایک مستقل باب وقف اور اس کے تحفظ کے متعلق ہے، بلکہ بعض فقہاء نے تو اس موضوع پر مبسوط کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں لیکن تقریباً تمام وقف کے مسائل کی تان حاکم کے اختیارات پر آکر ٹوٹتی ہے، شریعت میں بااختیار مسلم حکومت کو اوقاف کے تحفظ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اوقاف کے رجسٹریشن سے لے کر اس کو کرایہ پر اٹھانے، اوقاف کے متولیان کی نگرانی کرنے، اور خیانت پر گرفت کرنے اور

کوتاہی کرنے والوں سے باز پرس کرنے تک کی ساری ذمہ داری بااختیار مسلم حاکم کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر حاکم شرعی اس معاملہ میں دخیل نہ ہوتو اوقاف کا ہرگز تحفظ نہیں ہوسکتا۔

بہر حال ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں چونکہ تحفظ اوقاف کا ابھی تک صحیح انتظام نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو ملی ضرورت کی تکمیل کے لئے اوقاف قائم کرنے کا مشورہ دینا دراصل ان کی جائدادوں کے ضیاع کا دروازہ کھولنا ہے، اس لئے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ تجویز انجام کے اعتبار سے بہتر معلوم نہیں ہوتی، ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اوقاف موجود ہیں پہلے ان کو کارآمد بنانے کی کوشش کی جائے اور جس طرح پنجاب وقف بورڈ ایک نظم کے ساتھ اوقاف کی آمدنی کے ذرائع پیدا کررہا ہے اور وہ آمدنی ملی اداروں اور ائمہ وغیرہ کی تنخواہوں میں صرف بھی ہورہی ہے، دیگر صوبوں کا نظام بھی اسی طرح بنانے کی کوشش کی جائے، یہ ملت کی بڑی خدمت ہوگی۔ انشاء اللہ۔



نئے اوقاف کا منصوبہ دیہات تک وسیع ہو

مفتی نعمت اللہ قاسمی ☆

اس سلسلہ میں میری تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

- سب سے پہلی تجویز تو اس تعلق سے یہ ہے کہ اس منصوبہ کو گاؤں دیہات تک پھیلایا جائے۔

- دوسری تجویز یہ ہے کہ اوقاف کا قیام ہر گاؤں میں ہو یا زیادہ سے زیادہ دو چار گاؤں کا حلقہ بنا کر اس میں اوقاف کا قیام کیا جائے جو ان گاؤں یا اس حلقہ کے لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو، چھوٹے شہر کو ایک حلقہ تسلیم کیا جائے، بڑے شہروں میں کئی حلقے بنائے جا سکتے ہیں اور ہر حلقہ میں اوقاف کا قیام ہو۔

- تیسری تجویز یہ ہے کہ ہر دو چار اوقاف پر ایک منتظم مقرر ہو جو ان اوقاف کی حفاظت اور نگرانی کرے۔

- چوتھی تجویز یہ ہے کہ ہر حلقہ میں امداد کی درخواست پر غور کرنے کے لئے پانچ نفری کمیٹی بنادی جائے جو ہر ہفتہ امداد کی درخواست پر غور کر کے ایماندارانہ فیصلہ کرے۔

- پانچویں تجویز یہ ہے کہ تمام ذیلی مراکز (اوقاف) کو منظم اور مربوط رکھنے کے لئے ایک مرکزی وقف بورڈ قائم ہو جس کی حیثیت منتظم اعلی کی ہو۔

☆☆☆

☆ جامعہ اسلامیہ دار العلوم، ملیا، گوگری، بمالپور، کھگڑیا، بہار۔